جملہ حقوق محفوظ

سلسلہ مطبوعات عصمت نمبر ۱

الزہرآ رضہ

تصنیف

مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

جسے

رازق الخیری ایڈیٹر عصمت و بنات نے

عصمت بک ایجنسی دہلی سے شائع کیا

نویں مرتبہ

اگست ١٩٣٦

SAMI. 30

قیمت ایک روپیہ

Marfat.com

یادگار مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری

رسالہ عصمت دہلی

ہندوستان بھر کے تمام زنانہ اخبارات و رسائل میں سب سے اچھا اور س
زیادہ چھپنے والا مشہور و معروف باتصویر ماہوار رسالہ ۲۸ سال سے کامیا
ساتھ جاری ہے۔ عصمت ہندوستان کے مشہور ادیبوں اور ملک کی
لکھنے والی خواتین کے اعلیٰ درجہ کے مضامین ۸۰ صفحوں پر ہر ماہ شائع کرتا ہے ع
ہی وہ رسالہ ہے جو صوری و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے شریف بیگمات کے
ہندوستان کا چوٹی کا رسالہ سمجھا جاتا ہے۔ سالانہ چندہ چار روپ

رسالہ بنات دہلی

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ نے ۱۹۲۶ء میں یہ ماہوار رسالہ مسلم
کیلئے جاری فرمایا تھا۔ نو سال میں اس کا کسی ایک ماہ کا پرچہ بھی ایک دن کی تا
نہیں ہوا عصمت کی طرح بنات بھی پابند وقت ہے لڑکیوں اور بچیوں کی
مضامین سبق آموز نظمیں۔ مزیدار کہانیاں شائع کرتا ہے۔ زبان اتنی آسان کہ
تک کی بچیاں سمجھ سکتی ہیں۔ سال میں ایک خاص نمبر بھی شائع ہوتا ہے بنات
باتوں میں لڑکیوں میں مذہبیت پیدا کردیتا ہے سالانہ چندہ ایک روپیہ ہے جو بذ
بھیجا جائے۔ وی پی بھیجا جاتا ہے۔ مینجر بنات وجہ ہر نسواں دہلی

Marfat.com

الزہراؓ

بنت الرسول سیدۃ النسأ فاطمۃ الزہرا کی سوانح عمری

تصنیف

مصوّرِ غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

فہرست

عنوان	صفحہ
تمہید	۳
بی بی فاطمہ کا شجرہ نسب۔	۵
بی بی فاطمہ کی خاندانی حالت اور بی بی خدیجہ کی دوسری اُمہات المومنین پر فضیلت	۷
بی بی فاطمہ کو دوسری صاحبزادیوں پر کیا فوقیت حاصل ہے۔	۱۰
بی بی فاطمہ کی پیدائش	۱۲
بی بی خدیجہ کی رحلت اور بی بی فاطمہ کی تربیت	۱۴
بی بی فاطمہ کی تربیت بی بی سودہ نے کی	۱۶
بی بی فاطمہ کی مکہ سے روانگی	۲۰
بی بی فاطمہ کا نکاح	۲۱
سیدۃ النساء کی وداع	۳۰
بی بی فاطمہ کا سلیقہ	۳۶
خانہ داری	۳۸
بی بی فاطمہ کا ایثار	۴۰
شوہر کی عظمت	۴۶

عنوان	صفحہ
عبادت	۴۷
خُلق	۴۸
خصائل	۴۹
شفقت پدری	۵۲
حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت بی بی فاطمہ کے تعلقات	۵۶
علم	۵۸
بچے	۶۰
بچوں کی تربیت	۶۰
رسول اللہ کے آثار رحلت	۶۳
وفات رسول	۶۸
رسول اللہ کی تدفین	۷۲
فراق پدری	۷۵
منافقوں کی شرارت	۷۸
فدک	۸۰
سیدۃ النساء کی رحلت	۹۵
خاتمہ	۱۰۱
شہادت اہل بیت	۱۰۲
فاطمۃ الزہرا کے پوتوں کی شہادت	۱۰۳
فاطمۃ الزہرا کے نواسوں کی شہادت	۱۰۷
فاطمۃ الزہرا کے لخت جگر کی شہادت	۱۱۴
خانماں برباد قافلہ	۱۱۷

حق اشاعت محفوظ

مطبوعہ محبوب المطابع دہلی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

سلام ہے اُن پاک روحوں پر جو خاکِ عرب سے اُٹھیں اور علم و فضل کے ایسے دریا بہائے کہ نہ صرف خطۂ مخصوص بلکہ ایک دُنیا اُن سے سیراب ہوئی۔

ادب کی ان صحبتوں اور علوم کی ان مجلسوں میں ہم بنت الرسول **فاطمۃ الزہرا ؓ** کو بھی ممتاز جگہ پر جلوہ افروز دیکھتے ہیں۔ سونے پر سہاگہ اُن کی خانگی زندگی ہے۔ ایثار کے متبرک گلدستے ہاتھوں میں۔ صبر و شکر کے خوشنما ہار گلے میں۔ اور انسانیت کا چمکتا ہوا تاج سر پر۔

مُسلمان کچھ آج ہی کل کے نہیں تیسری صدی کے بعد سے حُسنِ عقیدت کے ایسے چکر میں پڑے کہ آئمہ کا درجہ خلفاء سے، خلفاء کا پیغمبر سے، اور پیغمبر کا خدا سے بڑھا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اصلی معاملات اور شاندار روایات جن سے یہ پاک زندگیاں لبریز تھیں، ختم ہوگئیں، اور ان کے بدلے وہ جھوٹی روایات، خرافات، ہزلیات جن پر دوسرے مضحکہ اُڑاتے ہیں۔ داخل ہوگئیں۔ اور آج اُن کے کارنامے محض اُن فقیروں کے ذرائع معاش رہ گئے۔ جو اندھیرے منہ گلیوں میں چیختے

Marfat.com

پھرتے ہیں۔ فریقین[1] کے اختلاف نے اور بھی غضب ڈھایا کہ مسئلہ متنازعہ فیہ کے ساتھ تمام محاسن پر پانی پھر گیا۔ اور وہ شاندار زندگی جو سیدہ نے بسر کی۔ اس وقت اندھیرے گھپ میں پڑی ہوئی ہے "بی بی کی نیاز" "بی بی کی صحنک" "بی بی کی پڑیاں"۔ "بی بی کا کونڈا" "معجزہ آل نبیؐ" "حلہ عید" ہر واقعہ سے اور ہر چیز سے یہی نظر آتا ہے کہ فاطمۃ الزہراؑ کی تمام عمر مصیبت اور افلاس میں بسر ہوئی۔ ہم کو بھی اس کے تسلیم کرنے میں عذر نہیں تھا۔ مگر انقلاب کا وہ زبردست پہلو جو واقعیت کے رنگ میں صاف جھلک رہا ہے بالکل غارت ہوا جاتا ہے اور یہ بی بی فاطمہؑ کی اُس خوبی کو جو تمول و افلاس کے تغیر میں ظاہر ہوئی، قطعی چھپالے گا۔ اس لئے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ہم سیدہ کے شجرۂ نسب کے ساتھ ان کی محترم ماں بی بی خدیجہؓ کی مالی حالت کا بھی ذکر کریں۔ جس سے معلوم ہوگا کہ وہ سدا کی غریب اور مفلس نہ تھیں۔ بلکہ ماں کی زندگی تک اُن کی پرورش اس طرح ہوئی جس طرح ایک اوسط درجہ کی خاندانی لڑکی کی ہو سکتی ہے۔

---

[1] سُنی و شیعہ۔

Marfat.com

بی بی فاطمہؓ کا شجرۂ نسب

باپ کے اجداد

عدنان

معد

نزار

قطر

الیاس

بدرکا

خزیمہ

کنانہ

نظر

مالکؓ

تھر

غالب

لوی

کعب

مرۃ

کلاب

قصی

Marfat.com

باپ کے اجداد	ماں کے اجداد
قصی	عبدالعزیٰ
عبد مناف	اسد
ہاشم	خویلد
عبدالمطلب	خدیجہ رض
عبداللہ	فاطمہ رض
محمد رسول اللہ	
فاطمہ رض	

ماں کی مائیں اور اجداد

عامر
معرض
عبد
حجر
رواحہ
ہرام
اطم
زائدہ مائیں
فاطمہ
خدیجہ رض
فاطمہ رض

Marfat.com

اس شجرۂ نسب سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بی فاطمہ کے نانا خویلدؔ قریشؔ کے معزز اور متمول قبیلہ میں سے تھے۔ اور اس طرح رسول اللہ کا شجرہ بی بی خدیجہ کی چوتھی پشت میں جاکر قصیٰ سے مل جاتا ہے اور دسویں پشت میں لوی سے غرض بی بی فاطمہ کا نجیب الطرفین اور خوشحال خاندان کی بیٹی ہونا ثابت ہوگیا۔

بی بی فاطمہ کی خاندانی حالت

اور

بی بی خدیجہؓ کی دوسری اُمہات المومنینؓ پر فضیلت

بی بی خدیجہؓ کی ولادت ۵۵۵ء عیسوی اور ۲۵ئہ کسروی کی ہے۔ اُس وقت کی عام حالت جو "زمانہ جہالت" کہلاتا ہے مخفی نہیں۔ مگر بی بی خدیجہؓ جن کی گود میں سیدہ نے پرورش پائی اُس وقت، یعنی اس تاریکی کے زمانہ میں بھی، طاہرہ کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ اور "قریش" کا گراں بہا تمغہ "سیدۃ النسا" جو کسی دوسری عورت کو ان سے پہلے نصیب نہ ہوا۔ عطا ہوچکا تھا۔ اُن کے والد یعنی سیدہ کے نانا خویلد جن کے خیالات کا اثر بی بی خدیجہؓ کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا۔ اور جو فاطمۃ الزہرا کی زندگی میں پوری طرح ظاہر ہوا۔ اپنے وقت میں اپنے تمول اور ایثار کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھے۔ ان کا کاروبار یمن میں بہت زور سے پھیلا ہوا تھا۔ مگر بی بی خدیجہؓ کے پہلے شوہر بنا بش اور دوسرے عتیق جب ان کو بیوہ چھوڑ گئے تو ان کے والد خویلد اپنے بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے تجارت کے کاروبار کی نگرانی کے قابل نہ تھے۔ اس لئے انھوں نے اپنا سب کام بیٹی کے سپرد کر دیا۔ اور خود گوشہ نشین ہوگئے۔ بی بی خدیجہؓ نے اس کام کو اس قدر توجہ اور ایمان داری سے چلایا کہ باپ سے

Marfat.com

زیادہ منافع حاصل ہوا اور چند ہی روز میں وہ بہت بڑی دولت کی مالک بن گئیں گو اس وقت تجارت کی منڈیاں بہت سی تھیں۔ مگر شام مرکز تھا۔ اور اگرچہ بہت سے تاجر اور غلام ایسے موجود تھے جو بی بی خدیجہ ؓ کے مال واسباب کے اونٹ خود لیجاتے تھے۔ اور دیانتداری سے کام کرتے تھے۔ پھر بھی بی بی خدیجہ ؓ کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی۔ جو اتنا ایمان دار متقی اور پرہیز گار ہوتا کہ اُن کے خود نہ جا سکنے کی کمی کو پورا کر دیتا۔

اِدھر قحط کی مصیبت سے گھبرا کر ابو طالب نے رسول اللہ ؐ سے کہا "تم خدیجہ ؓ سے ملازمت کی درخواست کرو" وہ اپنے دوسرے شوہر عتیق کے بعد دُنیا سے کچھ ایسی بیزار ہوگئی تھیں کہ اکثر "خانہ کعبہ" میں جا کر عبادت میں مصروف رہتیں اس زمانہ کی کاہنہ عورتوں نے اُن سے صاف صاف کہدیا تھا کہ "ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے اور وہ تمہاری قوم میں سے ہوگا" یہ سنتے ہی بی بی خدیجہ ؓ کا ذہن ادھر منتقل ہو چکا تھا۔ چنانچہ جس وقت رسول اللہ نے ملازمت کی خواہش کی تو انھوں نے خوشی سے منظور کر لیا۔ اور اپنے غلام میسرہ سے کہدیا کہ "جو کچھ یہ کہیں اور کریں کسی معاملہ میں دخل نہ دینا" اس سفر اور اس تعلق میں میسرہ نے جو کچھ دیکھا اور رسول اللہ کی دیانتداری کا جو سکہ بی بی خدیجہ ؓ کے دل پر بیٹھا وہ نکاح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ بی بی خدیجہ ؓ رسول اللہ کی سب سے پہلی بیوی تھیں۔ اور اسی لئے تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ یہ ایک ایسا ممتاز اور مخصوص شرف ہے جس کی وجہ سے ان کو تمام ازواج مطہرات پر فضیلت ہے۔ اور حق یہ ہے کہ وہ اس فضیلت کی مستحق تھیں۔ انھوں نے اپنا تن من دھن سب رسول اللہ کی کامیابی میں صرف کر دیا۔ جب ارہاصات کا وقت آیا ہے اس وقت رسول اللہ نہایت پریشان اور خائف تھے۔

Marfat.com

کہیں پتھر سلام کر رہے ہیں۔ کہیں درخت بول رہے ہیں۔ اس موقعہ پر بی بی خدیجہ نے ایسے دلسوز پیرایہ میں تسلی دی کہ وہ پریشانی اور خوف سب رفع ہوگیا۔ اس فضیلت کی تائید "اُم المومنین" بی بی عائشہ کی اس حدیث سے ہو رہی ہے جس کو امام بخاری نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ "رسالت مآبؐ جب بی بی خدیجہؓ کے بعد گھر میں تشریف لاتے تو ان کا ذکر کر کے بہت کچھ تعریف کرتے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ نے معمول کے مطابق اُن کی بہت کچھ تعریف کرنی شروع کی۔ مجھے رشک آیا۔ میں نے کہا۔ وہ تھیں کیا بوڑھی بیوہ عورت تھیں۔ خدا نے آپ کو اُن کے عوض ان سے بہتر بی بی عنایت کی یہ سُنکر رسول اللہؐ کا چہرۂ مبارک مارے غصہ کے تمتما اُٹھا۔ اور فرمانے لگے۔ خدا کی قسم ان سے اچھی بیوی مجھے نہیں ملی۔ وہ ایمان لائی تھیں جبکہ سب لوگ کافر تھے۔ انھوں نے میری تصدیق کی تھی۔ جبکہ سب لوگ جھٹلاتے تھے۔ انھوں نے اپنا مال و دولت مجھپر قربان کیا۔ جبکہ سب لوگوں نے مجھ کو محروم کیا۔ خدا نے ان کے بطن سے مجھے اولاد دی"۔

بی بی عائشہ کہتی ہیں "میں نے اس روز سے عہد کر لیا کہ اب رسول اللہؐ کے سامنے کبھی ایسی بات نہ کہوں گی"۔

بی بی خدیجہؓ سے رسول اللہؐ کے ہاں سات اولادیں ہوئیں۔ چار صاحبزادے تین صاحبزادیاں بایں تفصیل پیدا ہوئیں۔

زینبؓ، رقیہؓ، امّ کلثومؓ، فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہن۔

قاسمؓ، طاہرؓ، عبداللہ رضی اللہ عنہم۔

یہ سب بچے زمانہ بعثت سے پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے۔ بلکہ تینوں صاحبزادے تو نبوت سے پہلے ہی انتقال بھی فرما گئے تھے۔ صاحبزادیوں نے البتہ نبوت کا زمانہ پایا۔ اور سب کی سب مشرف باسلام ہوئیں۔ بی بی زینب سب سے بڑی

Marfat.com

تھیں جو نکاح کے پانچویں سال پیدا ہوئیں۔ اور جن کی شادی ابو العاص بن الربیع سے ہوئی۔ جو بی بی خدیجہ کے حقیقی بھانجے تھے۔ انھی کی لڑکی امامہ، فاطمۃ الزہرا کے انتقال کے بعد حضرت علی سے بیاہی گئی تھیں، ایک موقعہ پر جب بدر کی لڑائی میں کچھ آدمی گرفتار ہو کر آئے ہیں تو انکی رہائی اس شرط پر قرار پائی کہ وہ فدیہ دیں۔ قیدیوں میں زینب بنت رسول اللہ کے شوہر ابو العاص بھی تھے، جب بی بی کو یہ خبر ہوئی تو انھوں نے اپنی ماں بی بی خدیجہؓ کی ہیکل رسول اللہ کی خدمت میں بطور فدیہ کے بھیجی۔ ہیکل کے سامنے آتے ہی رسول اللہ کی چشم مبارک میں آنسو آگئے۔ اور آپ نے فرمایا۔

"یہ اس نیک اور پاک بی بی کا زیور ہے۔ جس نے اپنی عمر کا آخری تمام حصہ اسلام کی خدمت میں بسر کر دیا۔"

بی بی فاطمہ کو رسول اللہ کی دوسری صاحبزادیوں پر کیا فوقیت حاصل ہے

بی بی فاطمہ کے حالات میں سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ کی بی بی فاطمہ سے تین بڑی صاحبزادیاں اور موجود تھیں۔ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ تو بی بی فاطمہ میں ایسی کیا خصوصیت تھی جس کی وجہ سے مسلمان عام طور پر ان صاحبزادیوں کے نام تک سے واقف نہیں اور حضرت فاطمہ کا نام مسلمانوں کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ بی بی فاطمہ کی زندگی میں بہت سے اہم واقعات پیش آئے ہیں اور وہ حضرت علیؓ سے منسوب کی گئیں۔ ممکن ہے انکی شہرت کی

[1] مدارج النبوۃ۔ سپرٹ آف اسلام [2] مدارج النبوۃ ۱۲

یہی وجہ ہوئی ہوں۔ مگر یہ خیال ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ زینب کی لڑکی امامہ بی بی فاطمہ کے بعد حضرت علی سے بیاہی گئیں۔ رقیہ اور ام کلثوم کے پہلے نکاح ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوئے۔ پھر دونوں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان بن عفان کے عقد میں آئیں۔ پہلے بی بی رقیہ اور ان کے بعد ام کلثوم۔ اس لئے محض عقد وجہ شہرت نہیں ہو سکتے۔ بی بی فاطمہ کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ رسول اللہؐ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ اور اس لئے فطرتاً سرورِ کائنات کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اور وہ اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ بی بی فاطمہ کے دونو بچوں کو رسول اللہؐ "اپنے بیٹے" فرماتے تھے۔ اور ان سے اتنی ہی محبت کرتے تھے جتنی اپنے بیٹوں سے کسی باپ کو ہو سکتی ہے۔ بی بی فاطمہ سے رسالت مآبؐ کو جو شغف تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ سفر میں تشریف لیجاتے تو سب سے پیچھے بی بی فاطمہ سے رخصت ہوتے اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے بی بی فاطمہ کے ہاں جاتے۔ بی بی فاطمہ باعتبار علم و فضل اپنی سب بہنوں سے بہتر تھیں۔ ان کے مزاج میں بچپن ہی سے ایثار اس قدر تھا کہ رسول اللہ جیسے باپ اور خدیجہ جیسی ماں کی صحبت کا جو بہترین اثر کسی اولاد پر ہو سکتا تھا وہ بی بی فاطمہ پر ہوا۔ چنانچہ ملا حسین شیرازی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ قریش میں کوئی شادی قرار پائی۔ بیبیاں اچھے اچھے کپڑے اور زیور پہن کر اس میں شریک ہوئیں۔ بی بی خدیجہ اس وقت زندہ تھیں۔ انھوں نے اپنی سب بچیوں کو اس شادی میں بھیجا۔ بی بی فاطمہ کی عمر اس وقت قریباً پانچ سال کی تھی۔ اور اس عمر میں بچیوں کو پہننے اوڑھنے کی جس قدر خوشی ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔ اور یہ اچنبھا معلوم ہوتا ہے کہ بی بی فاطمہ نے ماں کے حکم کی تعمیل میں شرکت تو منظور کر لی۔ مگر زیور کا استعمال

لے مدارج النبوۃ ۱۲

پسند نہ کیا۔ حالانکہ دوسری بہنیں زیور پہن کر گئیں۔ لیکن غور کرنے سے بآسانی معلوم ہو جائے گا کہ ماں اور باپ کے جو خیالات ننھے سے دماغ میں جگہ پکڑ چکے تھے اور نشو و نما پا رہے تھے، ان کا اثر ابتدا ہی سے ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اور یہی تھی وہ وجہ جو ماں باپ دونوں کی محبت میں زیادتی کا باعث ہوئی، سونے پر سہاگہ اُن کی علمی قابلیت تھی، جس نے اُن کے پاک نام کو چار چاند لگا دیے۔ "ام المومنین" بی بی خدیجہ کی فضیلت امام بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہو چکی ہے۔ اور ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ بی بی فاطمہ صلواۃ اللہ علیہا اور "ام المومنین" عائشہ صدیقہ کا مقابلہ کریں۔ اس موضوع پر نواب صدیق حسن خاں نے ایک معقول بحث کی ہے۔ اور بحث کو ان اشعار پر ختم کیا ہے۔

دی کے گفت عائشہ در فضل — بہتر از "بنت سید البشر" است
مصرعہ در جواب او گفتم — رشتہ دیگر، رگِ جگر دگر است

یہ خیال بھی نظر انداز نہیں ہو سکتا کہ ان کے بطن سے حسنین جیسے دو ایسے لال پیدا ہوئے جو بساطِ امامت پر آفتاب و مہتاب کی طرح چمکے۔

بی بی فاطمہ کی پیدائش

بی بی فاطمہ کی پیدائش میں مورخین کا کچھ اختلاف ہے۔ مگر ۵ نبوت پر مورخ زیادہ متفق ہیں اور یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ "نبوت" کے دسویں سال یعنی "ہجرت" سے تین برس پہلے "ام المومنین" خدیجہ کا انتقال ہوا ہے۔ ا... "ام المومنین" کے اس نکاح نے تمام برادری میں ایک تہلکہ برپا کر دیا تھا۔ کیونکہ بڑے بڑے رئیس و امیر بی بی خدیجہ کے خواستگار تھے۔ اور ایک شخص

سلہ مدارج النبوۃ ۱۲

تو درخواست نکاح کے ساتھ ۳ ہزار اونٹ مہر کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ اس لئے اُن لوگوں کو رسول اللہؐ سے نفرت تو پہلے ہی سے تھی۔ بی بی خدیجہ کا نکاح، کریلا اور نیم چڑھا، ہو گیا۔ یہانتک نوبت پہنچی کہ سوا چند عورتوں کے سب نے آنا جانا چھوڑ دیا۔ اور بی بی فاطمہ کی پیدایش کے وقت برادری کی ایک عورت پاس آکر نہ پھٹکی۔ جمعہ کا روز تھا۔ جمادی الاخر کی بیسویں تاریخ، طلوع آفتاب کے وقت، بی بی فاطمہ پیدا ہوئیں، رسول اللہ نے جب سب سے پہلے بچی کو دیکھا تو گود میں لیا۔ پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور فرمایا "میری یہ بیٹی دنیا کی بزرگ عورتوں میں سے ہے"

یہ الفاظ رسالت مآب کی زبان سے اکثر بی بی فاطمہ کے لئے نکلتے تھے۔ ملا حسین شیرازی نے امام حسن کی روایت سے "ام المومنین" کا یہ قول اس موقعہ پر نقل کیا ہے۔ کہ

"مجھکو ہر بچہ کی پیدائش میں تکلیف ہوتی تھی۔ مگر فاطمہ نے مجھکو مطلق تکلیف نہ دی۔ مجھکو اس کی محبت روز پیدایش ہی سے بہت زیادہ تھی۔ جب اس کو گود میں لے کر بیٹھتی تو وہ کچھ ایسی محبت کی نگاہوں سے مجھے دیکھتی، کہ مامتا کا جوش ہوتا۔ اور میں اس کو بیتابانہ کلیجہ سے لگا لیتی"

رسول اللہ کو تبلیغ اسلام ہی سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ بچی کی تربیت پر کوئی خاص توجہ فرماتے۔ ہاں "ام المومنین" نے اپنی ہونہار بچی کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات "ام المومنین" اودھر رسول اللہ کے ارشاد سے ادھر بچی کی افتاد سے اچھی طرح سمجھ گئی تھیں کہ فاطمہ اپنے وقت کی مریم ہوگی۔ اور اسی لئے فرماتی تھیں کہ "مجھے فاطمہ سے زیادہ کسی بچہ کی پرورش میں لطف نہیں آیا"[1]

[1] مسلم۔

Marfat.com

"اُم المومنین" خدیجہ کی رحلت
اور
بی بی فاطمہ کی تربیت

افسوس یہ ہے کہ زمانہ نے ماکو اپنی اس بچی کی بہار نہ دیکھنے دی۔ بی بی فاطمہ ؓ کو بھی ماکے آغوش میں زیادہ رہنا نصیب نہ ہوا۔ بی بی فاطمہ ؓ پانچ برس کی تھیں کہ "ام المومنین" نے اپنی پیاری بچی سے منہ موڑا۔ اور دوسرے جہان کو سدھاریں۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ مکے کے مشہور قبرستان حجون میں دفن کی گئیں۔ مگر اس موت کا نتیجہ یہ ہوا کہ "امو المومنین" کی وجہ سے جو فتنے دبے ہوئے تھے۔ وہ اب پھر اُٹھے اور وہ مفسد و شریر النفس جن کو "ام المومنین" کی وجہ سے رسول اللہ کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کی زیادہ جرأت نہ ہوتی تھی۔ اب بدلہ لینے پر آمادہ ہوئے اور چاروں طرف سے آپ پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ایسے نازک موقع پر رسالت مآب کو اپنے ہی مقصد کی کامیابی کے لالے پڑے ہوئے تھے نہ کہ بچوں کی آسائش و تربیت کا فکر ہوتا، ہاں دفن کے بعد جب گھر تشریف لائے ہیں تو بی بی فاطمہ دوڑ کر لپٹ گئیں۔ اور پوچھا کہ "اماں کہاں ہیں" صاحب ناسخ التواریخ اس واقعہ کو اس طرح ادا کر رہا ہے۔

نماز ظہر کے بعد جب رسول اللہ اندر تشریف لائے تو معصوم بچی جو چند گھنٹوں سے ماکی صورت کو پھڑک رہی تھی، باپ کی صورت دیکھتے ہی بیتاب ہو گئی۔ آفتاب تیزی پر تھا۔ فاطمہ ننگے پاؤں دوڑ کر باپ سے لپٹی۔ اور سوال کیا کہ "میری ماں کہاں ہیں؟" بیٹی کی صورت اور اس کا یہ سوال کچھ ایسا مؤثر تھا کہ رسالت مآب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مگر وہ ذات پاک جو راستی کا معدن

صداقت کا مخزن خلوص کا مرجع اور نیکی کا منبع تھی۔ ناممکن تھا کہ جواب غلط دیتی۔ آپ کچھ دیر خاموش رہے۔ فاطمہ کو گود میں لیا، گلے لگا اور فرمایا۔

"خدا کے ہاں"

محلہ یا پڑوس میں کسی سے یہ توقع نہ تھی کہ بن ماں کی بچی کا دل ہاتھ میں لیتا۔ شوہروں کی بیویاں اور بچوں کی مائیں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔ مگر ایسی سنگدل اور ظالم کہ کوئی آنکھ اٹھا کر بھی بی بی فاطمہ کو نہ دیکھتا۔ اسلام کا جھنڈا بلند ہوچکا تھا۔ رسولؐ اللہ علی الاعلان توحید کا وعظ فرمارہے تھے اور یہ ایسا غضب تھا کہ مرد تو مرد عورتیں تک رسول اللہ کی جانی دشمن تھیں۔ کس کی ہمدردی۔ کہاں کی انسانیت اور کیسا ہمسایہ۔ مرد تو الگ رہے۔ عورتیں جس قدر ایذا پہنچاتیں۔ اسی قدر زیادہ خوش ہوتیں۔ صرف فاطمہ بنت اسد اور فاطمہ بنت زبیر دو عورتیں تھیں جو کبھی کبھی آجاتی تھیں۔ اور بن ماں کی بچی کو بہلا لیتی تھیں۔

رسولؐ اللہ کو اپنے کام سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ بیٹی کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ فرما سکتے۔ لیکن ماں کے خیالات اور باپ کی صحبت نے ابھی سے ایسے بیج بو دئے تھے کہ اس عمر میں بھی وہ اکثر پڑھنے لکھنے میں مصروف رہتیں۔ تعلیم کی ابتدا ماں کی نگرانی میں ہوئی اور اس ابتدائی تعلیم کے متعلق ملاحسین شیرازی "ام المومنین" خدیجہ کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ ایک روز جب میں فاطمہ کو سبق دے رہی تھی۔ اس نے دفعتہً مجھ سے سوال کیا کہ "ہم خدا کی قدرتوں کو تو ہر وقت دیکھتے ہیں۔ لیکن خدا بھی ہمیں کبھی دکھائی دے گا؟"

ام المومنین نے جواب دیا۔ "ہاں وہ وقت بھی آنے والا ہے۔ اگر ہم دنیا میں اچھے اچھے کام کریں گے خدا پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائیں گے۔ عبادت اور اچھے عمل کریں گے۔ تو جب اس دنیا سے رخصت ہوں گے تو خدا

Marfat.com

کی رضامندی حاصل ہوگی۔ وہی خدا کا دیدار ہے۔"

بی بی فاطمہ کی تربیت اُم المومنین سودہ نے کی

"ام المومنین" خدیجتہ الکبریٰ کے بعد کچھ تو یہ وجہ تھی، کہ اُن کا ڈر جاتا رہا۔ اور کچھ یہ کہ رسالت مآب کی تلقین اسلام روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔" قریش" کی دشمنی کی کوئی حد نہ رہی۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ ایک مجمع میں باہمی قرارداد یہ ہوئی کہ جو شخص رسول اللہ کا سر کاٹ کر لائے اس کو ایک گراں بہا انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ ایک روز جب آپ دوپہر کے وقت کھجور کے ایک درخت کے نیچے، جنگل بیابان میں، تنہا لیٹے ہوئے تھے آنکھ لگ گئی تھی۔ ایک شخص نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ قریب آکر دیکھا تو آپ کی تلوار بھی درخت پر لٹکی ہوئی تھی۔ باغ باغ ہوگیا کہ آج خدا نے بہت بڑی کامیابی دی۔ اس سے بہتر موقعہ کونسا ہوگا۔ فوراً سر جدا کروں۔ چنانچہ اس نے تلوار اُتار لی۔ ادھر آپ کی آنکھ کھل گئی۔ اور آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تو اس نے طیش میں آکر کہا کہ "اب کون بچانے والا ہے؟" آپ نے فرمایا "میرا خدا میرے ساتھ ہے۔" اتفاق سے تلوار اس شخص کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور آپ نے تلوار اُٹھا کر اس سے دریافت کیا کہ "اب تجھکو بچانے والا کون ہے؟" وہ شخص سرنگوں تھا۔ آپ نے اپنے کرم سے اس کا قصور معاف کیا۔ اور وہ آپ کا کلمہ پڑھتا ہوا چلا گیا۔

ایسی دشمنی کی حالت میں کہ پاؤں کی چیونٹی بھی خون کی پیاسی تھی، آپ کو کس طرح خانہ داری کے جھگڑوں پر توجہ کرنے کی مہلت مل سکتی تھی۔ مگر بچوں کی پرورش اور بی بی فاطمہ کی تربیت کے واسطے ایک معمر تجربہ کار اور دیندار عورت کی

لہ سپرٹ آف اسلام۔

Marfat.com

اشد ضرورت تھی جو گھر کے کام کاج کو سنبھالے۔ اور بچوں کی دیکھ بھال بھی کر سکے "قریش" کے وہ چند لوگ جو اب تک ایمان لا چکے تھے۔ ان میں دو غریب میاں بیوی سکران اور سودہؓ بھی تھے۔ مگر ان کا مسلمان ہونا ان کے واسطے مصیبت ہو گیا۔ دشمن جو ایذائیں اُن کو پہنچا سکتے تھے، وہ پہنچاتے۔ بیل جول تو خیر ایسی چیز نہ تھا اور خود یہ دونوں بھی اس کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ مگر ظالموں نے غضب یہ کیا کہ دن دہاڑے گھر میں پتھر پھینکتے، یہاں تک کہ ایک دفعہ سکران کا سر پھوٹ گیا۔ اور خون کی تلی بندھ گئی۔ مجبوراً ان دونوں نے اپنے وطن کو خیر باد کہا۔ اور ان کم بختوں کے ہاتھ سے اس طرح چھٹکارا پایا کہ حبشہ روانہ ہو گئے۔ مگر تقدیر کی بات ہے کہ سکران کی عمر نے وفا نہ کی۔ ابھی پوری طرح بسنے بھی نہ پائے تھے کہ سکران کو موت آ گئی۔ اور وہ بیوی کو بیکس چھوڑ کر رخصت ہوا۔ اب بی بی سودہ کی حالت بہت ہی زبوں تھی۔ عزیز موجود تھے مگر خون کے پیاسے اور جان کے دشمن۔ رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ مجبور حبشہ سے چلیں۔ اور مکہ معظمہ واپس آئیں اور اپنی داستان مصیبت رسول اللہ کو سنائی۔ آپ بہت آبدیدہ ہوئے اور گو "ام المومنین" خدیجہ کی طرح بی بی سودہ بھی آپ سے عمر میں بڑی تھیں۔ مگر آپ نے ان کی دلجوئی کے واسطے اُن سے نکاح کر لیا۔ اور اس طرح سیدۃ النسا کی تربیت کا یہ دور "ام المومنین سودہ" کی نگرانی میں شروع ہوا۔

بی بی سودہ کو زندگی کی ضرورتیں اب زیادہ باقی نہ رہی تھیں وہ اب صرف دین کی درستی میں مصروف تھیں۔ اور چاہتی تھیں کہ کسی طرح رسول اللہ کی خدمت میں حاضر رہوں۔ چنانچہ انھوں نے ایک مرتبہ صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ میرے واسطے صرف یہی کافی ہے کہ میں قیامت کے دن آپ کی بیوی

لے مسلم۔

کہہ کر مبکاری جاؤں" اس سے ظاہر ہے کہ ام المومنین سودہؓ کے خیالات کس قسم کے ہوں گے اور انھوں نے بی بی فاطمہ کی تربیت اس لئے کہ وہ جگر گوشہ رسولؐ ہیں۔ کس طرح کی ہوگی۔

صاحب مدارج النبوۃ لکھتا ہے کہ" اس عقد سے پیغامبر علیہ السلام کو فاطمہ کی طرف سے پورا اطمینان ہوگیا"

بی بی سودہؓ کا یہ تقاضائے عمر تھا۔ اور اس پر اسلام کا عشق کہ وہ ہر وقت خدا اور اس کے رسول کی یاد میں مصروف رہتیں۔ وہ بیج جو بی بی خدیجہ اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنی بچی کے ننھے سے دل میں بو گئی تھیں اور جو رسول اللہؐ کے زیر سایہ پرورش پا رہے تھے۔ اب بی بی خدیجہ کے ہاتھوں سینچے گئے۔ بی بی سودہؓ کی یہ تربیت جس میں فاطمہ بنت اسد کے درس بھی شامل ہیں۔ گو بی بی فاطمہ کی پرورش کے لئے کافی تھے۔ اور رسول اللہؐ کو اس طرف سے پورا اطمینان تھا۔ مگر قریش کی ایذا رسانی اب حد کو پہنچ گئی اور وہ اس قدر جفا کار ہو گئے تھے کہ جس راستے سے حضورؐ کا گذر ہوتا۔ وہاں کنوئیں کھود کر ان کے منہ پر گھاس پھونس اور تنکے بچھا دیتے تاکہ اندھیرے اجالے اُن میں گر پڑیں، ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ نے قریش کو جمع کر کے اُن سے کہا کہ" اگر تم میں سے چند آدمی بھی میرے ساتھ ہو جائیں تو دیکھنا خدا کے احکام کی کس طرح تعمیل ہوتی ہے۔" سرداران قریش نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا اور اس فقرہ کا مضحکہ اڑایا۔ مگر مجلس میں سے ایک دس برس کا بچہ اٹھا اور آگے بڑھ کر بولا کہ" یا رسول اللہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔" یہ بچہ وہی بچہ ہے جس کو آگے چل کر بیوی فاطمہ کے شوہر ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ اس وقت تو سب نے قہقہہ مارا۔ مگر کسے خبر تھی کہ بچہ کے الفاظ صداقت سے بھرے اور خلوص سے پُر ہیں۔

Marfat.com

جب بی بی فاطمہ کی عمر قریباً دس برس کی تھی اور گو ان سے کوئی مافوق الفطرۃ باتیں ظہور میں نہ آ رہی تھیں لیکن فراست و دانشمندی نے خود بیوی سودہ کو ان کا اس حد تک گرویدہ کر لیا تھا کہ ان کو دم بھر کی مفارقت بی بی فاطمہ کی گوارا نہ تھی۔ عروہ بن زبیر کا بیان ہے کہ "فاطمہ کی خداداد ذہانت، ان کی قابلیت ان کا صبر و شکر اسی عمر میں عام طور پر مشہور ہو چکا تھا۔ اور اس حد کو پہنچ گیا تھا، کہ نہ صرف مسلمان عورتیں بلکہ اب دُور دُور سے غیر مسلم عورتیں بھی "بنت الرسول" کو دیکھنے آئیں"۔

فاطمہ شامیہ جو ایک بڑے امیر کی لڑکی تھی اور جو کسی زمانہ میں رسالتمآب کے والد بزرگوار عبد اللہ سے نکاح کی خواہشمند تھی۔ اس کی بابت صاحب تاریخ التواریخ یہ لکھ رہا ہے کہ "جس وقت آپ کی شادی آمنہ سے ہو چکی ہے اور وہ حاملہ ہو گئیں تو عبد اللہ نے نکاح پر رضامندی ظاہر کی۔ مگر فاطمہ شامیہ نے اب یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں صرف اس روشنی کی خواہشمند تھی جو آپ کی پیشانی میں چمک رہی تھی۔ لیکن وہ جس کی تقدیر کی تھی اس کے پاس گئی۔ اب میں اس درخواست کو نامنظور کرتی ہوں"۔ یہی فاطمہ شامیہ بی بی سیدہ کے زمانہ طفولیت میں زندہ تھی۔ اور جب اس نے اس بچی کی ذکاوت اور فراست کا شہرہ سنا تو شام سے چل کر مکہ آئی۔ خود زبردست عالم تھی۔ توریت و زبور پر عبور رکھتا۔ بہت سے تحائف ساتھ لائی۔ کچھ ہیرے تھے کچھ موتی تھے۔ کپڑا تھا۔ اور کھانے پینے کی بہت سی چیزیں۔ بی بی فاطمہ نے اپنے مہمان کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اور کہا "ان موتیوں کا مصرف کار خیر سب سے بہتر ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو یہ اسلام کی خدمت میں کام آئیں"۔ فاطمہ شامیہ نے یہ سُنکر بی بی فاطمہ کو سینہ سے لگا لیا۔ اور یہ دیکھ دنگ رہ گئی کہ کھانے کا بڑا حصہ انھوں نے

Marfat.com

ان مسلمانوں کی نذر کر دیا جو راہِ حق میں ہر وقت سینہ سپر تھے۔

بی بی فاطمہ کی مکہ سے روانگی

"قریش" کی طرف سے جو تکلیفیں رسول اللہ کو پہنچ رہی تھیں وہ بہت زیادہ ہوگئیں اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ رسالت مآب نے مکہ سے روانگی کا قصد کیا۔ اہل مدینہ کی ایک جماعت اسلام قبول کر چکی تھی اور ان لوگوں کا مدت سے اصرار تھا کہ رسول اللہ مدینہ تشریف لے آئیں، اِدھر "قریش" کی دشمنی اُدھر اُن لوگوں کا اصرار، رسالت مآب، مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ تشریف لے آئے۔ اور بال بچوں کی حفاظت اسی بارہ سال کے لڑکے یعنی حضرت علیؓ کے سپرد کی اور مخالفین کا زور اب بھی کچھ کم نہ ہوا۔ لیکن حضرت علیؓ ہر وقت ایک تلوار ہاتھ میں لئے اپنے فرض کے ادا کرنے میں مصروف تھے۔ اُنکی اس ہمت وجرأت کا رسول اللہ پر بہت بڑا اثر ہوا۔ مگر اس خیال سے کہ ظالم نہ معلوم کیا فتنہ کھڑا کر دیں۔ آپ نے ان سب کو اپنے پاس بلا لیا۔ بی بی فاطمہ ایک اونٹ پر سوار تھیں۔ اور حضرت علی علیہ السلام ان کی حفاظت میں پیدل چل رہے تھے کہ دو آدمیوں نے جو مسلم نہ تھے اہلبیت پر حملہ کیا۔ دو جوانوں کا مقابلہ ایک بارہ برس کے بچے سے تھا، مگر خدا کی اعانت شاملِ حال تھی۔ ان میں ایک بہت بُری طرح زخمی ہوا۔ اور تلوار ایسی کاری لگی کہ گر کر اٹھنا نصیب نہ ہوا۔ دوسرا اپنے رفیق کی یہ حالت دیکھکر ایسا دُم دبا کر بھاگا کہ پھر مدینہ تک اس کی صورت نہ دکھائی دی۔ رسالت مآب نے یہ واقعہ سُنکر حضرت علیؓ کو گلے سے لگا لیا اور درازیِ عمر کی دعا کی۔

؎ علل الشرائع ۱۲

بی بی فاطمہؓ کا نکاح

چاہیے کہ مدینہ پہنچکر آنحضرت کو کوئی دن اطمینان کا نصیب ہوتا۔ تو بہ، مکہ کی طرح یہاں بھی وہی روز روز کے قصے تضیے اور ہر وقت کے لڑائی جھگڑے تھے خود اہل مدینہ اور گرد و نواح کے یہودی اگر ذرا موقع پاتے تو مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں کسر نہ اٹھار کھتے۔ بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور مسلمان کامیاب بھی ہوئے۔ مگر تعصب کی آگ کسی طرح فرو نہ ہوئی۔

یوں تو شروع ہی سے حضرت علی کی محبت رسول اکرمؐ کے دل میں جگہ پائے ہوئے تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔ بچوں کی طرح پالا۔ بیٹوں کی طرح رکھا لیکن اس پریشانی میں حضرت علی نے کچھ ایسا ساتھ دیا اور ایسی نمایاں خدمات انجام دیں کہ حد درجہ کی محبت میں اعلیٰ درجہ کی وقعت بھی شامل ہوگئی۔ اس وقت حضرت سیدہ بھی بچپن کا زمانہ ختم کر چکی تھیں۔ ہوشیار ہونا تھا کہ چاروں طرف سے نکاح کے پیغامات آنحضرت کے پاس آنے لگے۔ لیکن رسالت مآب نے سب کو صاف جواب دیدیا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ دوپہر کے وقت حضرت عمرؓ ایک طرف سے آرہے تھے۔ راستہ میں دیکھا کہ حضرت علیؓ جنگل میں اپنا اونٹ چرا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔

"علی! تم بانیٔ اسلامؐ سے فاطمہ کی درخواست کیوں نہیں کرتے، میرے خیال میں تم کو ضرور کامیابی ہوگی"۔

حضرت فاروقؓ کے یہ الفاظ سنکر حضرت علیؓ کچھ آبدیدہ سے ہوگئے۔ اور فرمایا "اے عمرؓ! کیوں اس آگ کو بھڑکاتے ہو جس کو میں مدت سے اپنے

ؔ۵ مدارج النبوۃ۔

سینہ میں ہائے ہوئے ہوں۔" اتنا کہہ کر حضرت علیؓ کے چہرے سے کچھ اداسی ظاہر ہونے لگی۔ مگر بالآخر حضرت علیؓ معہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ آنحضرت کے مکان کی طرف اسی غرض سے روانہ ہو گئے۔

اس وقت رسالت مآب، اُمِّ سلمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ حضرت علیؓ نے آکر دروازہ پر ہاتھ مارا۔ آنحضرتؐ نے اندر بلایا۔ اور حضرت علی شرم کے مارے گردن نیچی کر کے آ بیٹھے۔ کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی۔ آخر آنحضرتؐ نے فرمایا۔

"اے علیؓ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ کہنا چاہتے ہو۔ اور شرم اجازت نہیں دیتی۔ جو کچھ کہنا ہو کہو۔"

حضرت علیؓ نے عرض کیا "اے خدا کے سچے رسول! میں بچپن ہی سے اپنے باپ ابوطالب اور ماں فاطمہ بنت اسد سے علیحدہ ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے آپ نے اپنی روٹی سے پالا۔ اور اپنی صحبت میں ادب سکھایا۔ ماں ہیں تو آپ اور باپ ہیں تو آپ۔ بلکہ دونوں سے بہتر ہیں آپ۔ آج میری دنیا و آخرت کی پونجی جو کچھ ہیں وہ آپ۔ مجھے شرف غلامی حاصل ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ فاطمہ کا نکاح مجھ سے ہو جائے۔"

یہ سُنکر آنحضرتؐ نے تبسم فرمایا اور حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ "فاطمہ کے نکاح کے واسطے تمہارے پاس کچھ جمع ہے؟" حضرت علیؓ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میرے مال و متاع کا حال آپ کو معلوم ہے۔ ایک تلوار۔ ایک اونٹ۔ ایک ذرہ ان تینوں چیزوں کا مالک ہوں اور اس کے بعد اللہ کا نام ہے۔

حضرت علیؓ کے اس جواب سے رسالت مآبؐ کے چہرہ پر مسکراہٹ

Marfat.com

آگئی اور فرمایا "تلوار تم کسی طرح علیحدہ نہیں کر سکتے۔ اپنی حفاظت، دشمنوں کا مقابلہ، اس کو الگ کردگے تو بالکل ہنتے رہ جاؤ گے۔ اس کا تمہارے پاس رہنا نہایت ضروری ہے۔ رہا اونٹ اس کا علیحدہ کرنا بھی مشکل ہے۔ سفر در پیش آیا تو سخت زحمت ہوگی۔ یہ بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ البتہ ایک زرہ باقی رہ گئی۔ جو بظاہر ان دونوں چیزوں کے مقابلہ میں زیادہ کام کی نہیں۔ اس کی علیحدگی ممکن ہے۔ میں اس معاملہ میں تم کو جواب قطعی کچھ دیر کے بعد دونگا۔"

اس وقت رسالت مآب سیدھے سیدہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا:-

"علی تیری خواہش لے کر میرے پاس آیا ہے۔"

سیدۃ النساء اس وقت کلام اللہ پڑھ رہی تھیں رسول اللہ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سُن کر خاموش ہوگئیں۔ اور گردن جھکالی۔ چند لمحہ تک سرور کائنات بیٹی کے چہرے کو ملاحظہ فرماتے رہے۔ لیکن جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ نے اس خاموشی کو رضامندی خیال فرمایا۔ اور کہا۔

"فاطمہ کی خاموشی اس کی رضامندی ہے۔"

سیدۃ النساء اپنے محترم باپ کے یہ الفاظ سُنکر اور بھی شرما گئیں۔ اور چہرہ چھپالیا۔ رسالت مآب نے اس وقت زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور پھر ام سلمہ کے گھر تشریف لائے۔ اور ایک کونہ میں خاموش بیٹھ گئے۔

بی بی فاطمہ کے نکاح پر بعض مؤرخین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ نکاح پہلے آسمان پر ہوا۔ اور اس کے بعد زمین پر انجام پایا۔ غالباً اسی روایت نے عورتوں کے دل میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا ہے کہ ہر لڑکی کا نکاح پہلے آسمان پر

لہ علل الشرائع۔

Marfat.com

ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد زمین پر۔ بہر حال ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ تعجب کیا ہے جو رسالت مآبؐ اس نکاح میں خدا کی مرضی معلوم کرنے کے منتظر رہے ہوں۔ اور صاحب خمیس کی رائے کے بموجب "اُن کو اس عقد میں اوہر سے بھی اجازت لی ہو" المختصر تھوڑی دیر بعد رسول اللہؐ اُٹھے اور حضرت علیؑ کے پاس تشریف لا کر فرمایا۔

"مَیں فاطمہ کو تمہارے نکاح میں دینے پر رضامند ہوں، زرہ فروخت کردو۔ اس میں تمہارا مہر بھی ہو جائے گا۔ اور باقی سامان بھی اسی میں سے آجائے گا"

اتنا سنتے ہی حضرت علیؑ کا چہرہ خوشی کے مارے کھل گیا۔ وہ ہشاش بشاش ام سلمہ کے گھر سے باہر نکلے۔ اور زرہ کے بیچنے کا ارادہ کیا کہ دفعتہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق ان سے پھر ملے اور پوچھا کہ "فاطمہ کے بارے میں رسول اللہ نے کیا جواب دیا" حضرت علیؑ کے چہرے کی بشاشت اور خوشی جو اس وقت ظاہر ہو رہی تھی۔ دونوں کے سوال کا جواب تھا۔ حضرت علیؑ نے مفصل کیفیت بیان کی۔ اور کہا کہ "رسول اللہ مسجد میں تشریف لاتے ہیں۔ تجویز یہ ہے کہ لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں تاکہ نکاح کا اعلان ہو جائے۔"

دونو بزرگ معہ حضرت علیؑ کے مسجد میں تشریف لائے۔ ابھی اندر داخل نہ ہوئے تھے کہ سرور کائنات بھی تشریف لے آئے۔ اور بلال سے کہا کہ "مہاجر" و "انصار" کو جمع کرو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں فوراً تمام "مہاجر" و "انصار" جو وہاں موجود تھے جمع ہو گئے۔ رسول اللہؐ اس وقت منبر پر تشریف لائے خطبہ نکاح پڑھا اور فرمایا۔

"میں نے اپنی بیٹی فاطمہ کو چار سو مثقال کے عوض علیؑ کے نکاح میں دیا۔"

لہ ابن جوزی

Marfat.com

اس کے بعد حضرت علی سے فرمایا "علی۔ اُٹھو اور خطبہ کے قاعدہ کو بجالاؤ"۔
حضرت علی اُٹھے اور کہا۔
"تحقیق میرا نکاح محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی ارجمند صاحبزادی فاطمہ کے ساتھ چار سو مثقال مہر کے عوض کر دیا۔ جو بخوشی مجھکو منظور ہے۔ مسلمانوں کی جماعت اس نکاح کی گواہ رہے"۔

حضرت علی کے اس اعلان پر چاروں طرف سے دُعا کی آوازیں آنے لگیں نکاح کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ حافظ مغلطائیؒ اور احمد بن عبداللہ ہجری لکھتے ہیں کہ صفر میں ہوا۔ اصحابہ کی رائے ہے کہ محرم اور کتاب خمیس سے معلوم ہوتا ہے کہ محب عمر کا بیان ہے کہ یہ نکاح واقعہ بدر کے بعد شوال ۲ھ ہجری میں ہوا۔ اسی طرح رقم مہر میں بھی صاحب ناسخ التواریخ کے قول کے بموجب تھوڑا سا اختلاف ہے۔ وہ چار سو مثقال سے کچھ کم لکھتا ہے۔ بہر حال مہر "چار سو مثقال" کے قریب تھا۔

نکاح سے فراغت پاتے کے بعد رسول اللہ ؐ نے علیؓ سے فرمایا۔
"علی! جاؤ۔ اور زرہ بیچ ڈالو۔ اور اس کی قیمت مجھے لادو"
چنانچہ حضرت علیؓ زرہ ساتھ لے کر بازار میں آئے۔ عثمان غنیؓ نے وہ زرہ خریدی۔ اور چار سو مثقال حضرت علیؓ کو دئے۔ جب حضرت عثمانؓ قیمت دے چکے اور زرہ ان کے قبضہ میں آگئی۔ مثقال حضرت علیؓ نے گن کر رکھ لئے تو عثمانؓ غنی نے حضرت علیؓ سے کہا "علیؓ یہ زرہ تم کو مجھ سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ روپیہ بھی لیجاؤ اور زرہ بھی۔ میں نے قاعدہ شرعی کے موافق اس لئے کہ زرہ اب میری ملکیت ہے۔ تمکو ہبہ کی"۔ حضرت علیؓ نے وہ زرہ لے لی۔ اور مثقال چادر کے ایک کونہ میں باندھ کر رسالت مآب کی خدمت میں حاضر

Marfat.com

ہوئے۔ اور از ابتدا تا انتہا تمام واقعہ عرض کیا۔ جس وقت رسالت مآبؐ نے حضرت عثمانؓ کا حال سُنا تو آپ نے دستِ مُبارک آسمان کی طرف اُٹھائے اور حضرت عثمانؓ کے حق میں دُعائے خیر کی۔

اس وقت رسالت مآبؐ نے بغیر گنے دو مٹھیاں بھر کر درم حضرت ابوبکرؓ کو دئے اور فرمایا "جاؤ فاطمہ کی روانگی کی تیاریاں کرو" ابوبکر صدیقؓ کا بیان ہے "میں نے گِنا تو وہ مثقال تین سو ساٹھ تھے۔ میں نے ایک بچھونا۔ ایک چمڑے کا تکیہ جس میں اون بھرا ہوا تھا۔ ایک مٹی کا پیالہ، چند مٹی کے آبخورے۔ ایک پردہ یہ سب چیزیں خریدیں۔ اور لے کر سرورِ عالم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اس موقع پر صرف ناسخ التواریخ کے بیان میں تھوڑا سا اضافہ ہے۔ وہ اس تمام سامان کو تسلیم کرنے کے بعد دو چاندی کے بازو بند بھی لکھ رہا ہے۔

ابوبکر صدیق فرماتے ہیں "جب میں یہ سامان لے کر سرورِ عالم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے تمام سامان ملاحظہ فرمایا اور چشمِ مبارک میں آنسو آ گئے۔ اس وقت آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

"الٰہی برکت دیجیو اس قوم کو جس کا بہتر سامان مٹی کے برتن ہوں"

ہم اِس سامان کو آج کل کی رسم کے موافق وہ چڑھاوا سمجھ لیتے ہیں جو دولھا کی طرف سے دُلہن کو ملتا ہے۔ اور صاحب ناسخ التواریخ کے قول کے موافق اس سامان کو جو رسالت مآبؐ کی طرف سے دیا گیا۔ سیدہ کا جہیز۔ اور جس کی تفصیل وہ اس طرح سے کرتا ہے:۔

ایک چکی۔ دو پاجامے۔ دو مٹکے۔ ایک بدھنی۔ ایک بستر۔
ایک جانماز اور کلام اللہ کی چند سورتیں۔

اب رسول اللہ نے حکم دیا کہ "فاطمہ کے نکاح کی خوشی میں دف بجایا

لہ ناسخ التواریخ

Marfat.com

جائے۔" چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ اور دف بجنے لگا، رسالت مآب اس وقت بی بی فاطمہ کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ غمگین اور خاموش بیٹھی تھیں۔ بہت ممکن ہے کہ یہ خموشی بی بی فاطمہ کو میکے کی مفارقت سے ہو۔ مگر صاحب ناسخ التواریخ کا بیان ہے کہ اس وقت رسول اللہ نے سیدہ کو تسکین دی اور یہ فرمایا۔

"فاطمہ! اللہ غنی وانتم الفقراء

بیٹی! دنیا کی تکلیفیں چند روزہ ہیں۔ خدا کے ہاں جاکر آرام لینا!"

ہم کو ناسخ التواریخ سے اس معاملہ میں اتفاق نہیں ہے اور ناسخ التواریخ ہی نہیں۔ اصحابہ نے بھی اس وقت کی گفتگو میں جو کچھ لکھا ہے اس میں بی بی فاطمہ کی افسردگی میں افلاس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اور ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام خموشی اور رنج وملال صرف اس لئے تھا کہ حضرت علی مفلس تھے۔ لیکن وہ پاک بی بی جس نے بچپن میں ہی اپنی عادات وخصائل سے ظاہر کر دیا تھا کہ دولت رغبت کی چیز نہیں۔ ہرگز اس خیال سے ملول نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے یہ خموشی صرف اس جدائی کی تھی۔ جو ہر لڑکی کو وداع کے وقت ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ نے بھی اسی کے متعلق تسکین فرمائی۔ ہاں رسالت مآب نے اس لئے کہ وہ بشر ہیں، یہ خیال فرمایا ہوگا کہ فاطمہ شاید علی کے افلاس سے خموش ہے۔ اور تسکین میں صرف اس طرف اشارہ کر دیا ہوگا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ شوہر کے افلاس سے رنجیدہ تھیں۔ اسی قسم کی ایک بحث بعض مورخین نے دوسرے پیرایہ میں بھی کی ہے کہ وداع کے بعد ایک روز سرور کائنات نے سیدہ کو ملول پایا تو دریافت کیا۔ "فاطمہ خاموش کیوں ہو" انھوں نے جواب دیا کہ "قریش کی عورتیں طعنہ دیتی ہیں کہ تیرا باپ اور شوہر دونوں فقیر ہیں۔" جس کے جواب میں رسول اللہ

نے بی بی فاطمہ کی بہت تسکین فرمائی اور کہا "تیرا شوہر اہل بیت" میں سب سے بہتر ہے۔"

افسوس ہم کو اس سے بھی اتفاق نہیں۔ سیدہ کی بابت یہ خیال کرنا کہ وہ اس عقد سے ملول تھیں۔ ان کی تمام صفات حسنہ کو بٹہ لگاتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ "قریش" کی عورتوں نے طعنہ دیا ہو۔ لیکن اس طعنہ کا اتنا اثر کہ بی بی فاطمہ جیسی خاتون اس سے اس درجہ متاثر ہوتیں کہ رسول اللہ سے شکایت کرتیں۔ قرین قیاس نہیں اسی قسم کا ایک واقعہ ایک صاحب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"ایک روز ایک سائل حضرت علی کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے کو حکم دیا کہ اپنی ما سے کہو جو رکھا ہو۔ اس کو دیدیں۔ چنانچہ وہ اندر گئے اور واپس آکر کہا کہ وہ فرماتی ہیں کہ یہ درہم ہم نے آٹے کے واسطے رکھا ہے۔ اس پر حضرت علی نے پھر دوبارہ بھیجا۔ اور کہا نہیں فوراً دیدو۔ چنانچہ وہ درم دیدیا گیا۔"

ان واقعات کا یقین کرنا سرتاسر غلطی ہے۔ ہم کو حضرت علی کی سخاوت اور ایثار سے انکار نہیں۔ مگر سیدہ کا ایثار اپنے نیک شوہر سے کسی طرح کم نہ تھا۔ ناممکن تھا کہ حضرت علی ایک سائل کو بھیجتے۔ اور بی بی فاطمہ اپنی ضرورت کا عذر کر کے اس کو ٹال دیتیں۔ دوسرے حضرت علی کے حکم سے اور بھی ایک ایسا الزام ہے جس سے سیدہ کا دامن ہم کو بالکل پاک نظر آرہا ہے۔

ہم اس بحث کو اسی جگہ ختم کرتے ہیں۔ اُن کے ایثار کی تفصیل میں اس پر پوری روشنی ڈالیں گے۔ الغرض جب یہ تمام سامان حضرت صدیق لے آئے تو رسول اللہ نے وہ درم جو اب باقی رہے تھے۔ حضرت علی کو دیدئے کہ چھوارے

Marfat.com

اور پنیر لے آؤ۔ حضرت علی فرماتے ہیں۔ میں بازار گیا۔ پانچ درہم کا گھی خریدا۔ چار کے چھوارا اور ایک کا پنیر یہ سب چیزیں لاکر رسالت مآب کی خدمت میں پیش کردیں۔ آپ نے سب کو ملاحظہ فرماکر دستر خوان طلب کیا۔ اور ان کو ملاکر حیس بنایا۔ اور مجھکو حکم دیا باہر جاؤ۔ اور جس مسلمان سے ملاقات ہو اندر بلا لاؤ۔ چنانچہ میں اس حکم کی تعمیل میں باہر گیا۔ اور جو لوگ ملے اُن کو اندر بلاکر کھانا کھلایا۔ جب یہ لوگ کھاکر چلے گئے۔ تو آپ نے ایک مٹی کا پیالہ مانگا۔ اور اس کو حیس سے بھر کر فرمایا یہ فاطمہ اور اس کے شوہر کا ہے۔ اس کے بعد ازواج مطہرات کو دیا۔ اور ام سلمہ سے فرمایا۔ جاؤ فاطمہ کو بلالاؤ وہ اُٹھیں اور جاکر سیدۃ النسا کو اپنے ہمراہ لائیں۔ اس وقت سیدہ کے چہرہ سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ قریب پہنچیں تو رسول اکرم نے وہ ردا جو چہرے پر تھی ہٹالی اور اپنے سینہ پر بائیں طرف سیدہ کا سر رکھا۔ پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور حضرت علی کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر فرمایا۔

"علی! پیغمبرؐ کی بیٹی تجھے مُبارک ہو"

اس کے بعد سیدۃ النسا کی طرف مُنہ کیا اور فرمایا۔

فاطمہ! تیرا شوہر بہت اچھا شوہر ہے"

اس کے بعد آپ نے فرمایا "تھوڑا سا پانی لاؤ" جب پانی آگیا تو آپ نے اس میں سے تھوڑا سا پھینکدیا۔ کچھ دُعا دم کی۔ اور حضرت علی سے کہا۔ "اس میں سے تھوڑا سا پانی لو اور تھوڑا سا چھوڑ دو" چنانچہ حضرت علی نے پانی پیا۔ اور تھوڑا سا چھوڑ دیا۔ جو باقی رہا تھا وہ سینہ اور منہ پر چھڑکا۔ اور تھوڑا سا پانی حضرت علی سے اور طلب کیا۔ اور اسی طرح حضرت فاطمہ کے واسطے دُعا کی۔ اور اُن کو پلایا۔ اس کے بعد حضرت علی اور رسول اکرم مسجد میں تشریف لے آئے اور نکاح سے فراغت پائی۔

لہ اصابہ۔

Marfat.com

سیّدۃ النساءؑ کی وداع

نکاح کو ایک مہینہ سے زیادہ گزر گیا۔ تو ایک روز حضرت علی کے بھائی عقیل نے کہا "ہماری خواہش ہے کہ ہم رسول اکرم سے درخواست کریں کہ وہ فاطمہ کو وداع کردیں۔" حضرت علی نے فرمایا "میری دلی خواہش بھی یہی ہے مگر کیا کروں مجھ کو رسالت مآبؐ سے عرض کرتے ہوئے کچھ شرم سی معلوم ہوتی ہے۔" عقیل نے کہا "چلو میں اور تم دونوں خدمت اقدس میں حاضر ہوکر یہ التجا پیش کریں۔ حضرت علی کو حجاب دامنگیر تھا۔ مگر عقیل کے زیادہ اصرار سے رضامند ہوگئے۔ اور دونوں اس درخواست کے پیش کرنے کے واسطے روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ کی کنیز اُمّ ایمن ملیں اور دریافت کیا کہ "علی اور عقیل کدھر کا قصد ہے۔" حضرت علی خاموش ہوگئے۔ مگر عقیل نے مفصل کیفیت ظاہر کردی۔ اور کہا "رسول اکرم کی خدمت میں اس غرض سے جاتے ہیں کہ فاطمہ کے وداع کی درخواست پیش کریں۔" اُمّ ایمن نے کہا "میرے خیال یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ پہلے ازواج سے مشورہ کرلو۔ اگر وہ بھی اس رائے سے اتفاق کریں تو بہت اچھا ہوگا۔"

عقیل نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور حضرت علی نے بھی یہی بہتر خیال کیا اور یہ تینوں عقیل۔ اُمّ ایمن اور علی سب سے پہلے اُمّ سلمہ کے گھر گئے۔ اُمّ ایمن نے ان سے مفصل کیفیت بیان کی۔ اُمّ سلمہ یہ سُنکر بہت خوش ہوئیں۔ اور دونوں کو ساتھ لے کر تمام "ازواج مطہرات" کو اس مشورہ میں شریک کیا۔ اور بالآخر یہ جماعت عائشہ صدیقہ کے پاس پہنچی۔ جہاں رسالتمآب تشریف فرما تھے۔ کچھ دیر مختلف معاملات پر گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد اُمّ سلمہ نے بی بی خدیجہ کا تذکرہ شروع کیا اور کہا "اس وقت اگر وہ زندہ ہوتیں تو فاطمہ کے

نکاح کی اُن کو کس قدر مسرت وشادمانی ہوتی۔" رسالت مآب کی چشم مبارک میں آنسو آ گئے اور آپ نے فرمایا "خدیجہ کا مثل کہاں سے لاؤں! اُس نے میری تصدیق ایسے وقت میں کی جب دنیا مجھے جھٹلا رہی تھی۔ اس نے اپنا مال اُس وقت جب سب مجھ کو محروم کر رہے تھے۔ راہِ حق میں قربان کیا۔ اُس نے میری خدمت۔ اسلام کی حمایت اور مسلمانوں کی اعانت میں کبھی اور کسی طرح کسر نہ کی۔" ام سلمہ نے حضور اکرمؐ کے اس ارشاد پر کہا "درست ہے یارسول اللہؐ معبود حقیقی اب ہم سب کو ان سے جنت الفردوس میں ملائے۔" تمام بیبیوں نے اس پر کہا! "آمین" اور اس کے بعد اُم سلمہ کہا "یارسول اللہؐ آپ کے بھائی اور چچا کے لڑکے علی اپنی بیوی فاطمہ کی وداع کے واسطے درخواست کرنے حاضر ہوئے ہیں۔ باہر کھڑے ہیں۔" رسالت مآب نے فرمایا مجھ سے آجتک علی نے اس کے متعلق کبھی کچھ نہ کہا۔ جاؤ ان کو بلا لاؤ۔" ام سلمہ نے کہا "آپ علی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ شرم نے ان کے منہ پر مہر لگا رکھی ہے۔ اور وہ کچھ عرض نہ کر سکے" یہ کہہ کر وہ کھڑی ہوئیں اور حضرت علی کو آواز دے لی۔ جب حضرت علی سامنے آئے تو رسول اکرمؐ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا "علی کیا تم چاہتے ہو کہ میں فاطمہ کو رخصت کر دوں۔" رسالت مآب کے اس استفسار کے جواب میں حضرت علی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور گردن جھکا کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ اور "امہات المومنین" نے جو اس وقت موجود تھیں عرض کیا کہ "شرم علی کو اجازت نہیں دیتی۔ مگر یہ خواہش ان کو اس وقت یہاں لائی ہے۔" سرور کائنات نے حکم دیا کہ "جاؤ فاطمہ کو بلا لاؤ۔" چنانچہ ام ایمن جا کر بی بی فاطمہ کو بلا لائیں۔

یہاں صاحب ناسخ التواریخ اصابہ عبداللہ ہجری کے اقوال میں اختلاف ہے۔ صاحب ناسخ التواریخ اور عبداللہ کا بیان ہے کہ پہلے "امہات المومنین" نے

Marfat.com

بی بی فاطمہ کو نہلا دھلا کر دلہن بنایا اور اس کے بعد لائیں۔ مگر اصابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فوراً بلالی گئیں۔

الغرض جب بی بی فاطمہ تشریف لے آئیں تو سرورِ کائنات نے حضرت علی کو سیدھے ہاتھ کی طرف بٹھایا اور بی بی فاطمہ کو الٹے ہاتھ کی طرف۔ اس کے بعد دونوں کو کچھ نصیحتیں کیں جو حقوق زوجین کے متعلق تھیں۔ لیکن افسوس ان نصیحتوں کی تصریح میں سب خاموش ہیں۔ صرف ملا حسین شیرازی اتنا لکھتا ہے کہ "پہلے آپ نے حضرت علی سے فرمایا۔" علی فاطمہ کے رضامند رکھنے کی کوشش کیجو۔" پھر بی بی فاطمہ سے یہی الفاظ فرمائے۔ اس کے بعد آپ بی بی فاطمہ اور حضرت علی کو ساتھ لے کر دروازہ تک تشریف لائے۔ بی بی فاطمہ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور دونوں کے حق میں دعا کی۔ عقیل نے پہلے ہی سے اونٹ لاکر کھڑا کر دیا تھا۔ بی بی فاطمہ اس پر سوار ہو کر وداع ہو گئیں۔

یہاں بھی تھوڑا سا اختلاف نظر آرہا ہے۔ ایک بیان یہ بھی ہے کہ ام سلمہ سے کہا "فاطمہ کے حجرے میں جھاڑو بہار و دیدو۔ اور بی بی فاطمہ اس روز نہیں بلکہ اس کے تیسرے روز وداع ہوئی ہیں۔" مگر پہلا بیان زیادہ درست معلوم ہوتا ہے اور اسی پر زیادہ اتفاق ہے۔

اسماء بنت عمیس اس وقت موجود تھیں۔ انھوں نے عرض یارسول اللہ لڑکیوں کو وقت بے وقت کے واسطے کسی بڑی بوڑھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس وقت ام المومنین بی بی خدیجہ کی حالت خراب ہوئی ہے اور ان کو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ چپکے چپکے رو رہی ہیں۔ مجھے تعجب ہوا اور میں نے عرض کیا کہ اس وقت آپ کیوں رو رہی ہیں۔ آپ پیغمبر آخر الزمان کی بیوی اور وہ بیوی ہیں کہ آپ کے احسانات

کا رسالت مآبؐ نے بارہا اعتراف کیا ہے۔ آپ کی تمام خدمات کا معاوضہ
اب آپ کو ملیگا۔ یہ وقت رونے کا نہیں ہے۔ تو آپ نے فرمایا اسماء دلہنوں
کو شوہروں کے ہاں جا کر پہلے پہلے عقلمند ساتھ والیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔
نیا گھر ہوتا ہے۔ نئے لوگ ہوتے ہیں۔ اور زندگی کا اصلی دور اسی وقت سے شروع
ہوتا ہے۔ دل گھبراتا ہے۔ طبیعت پریشان ہوتی ہے۔ ساتھ والیاں اس لئے
جاتی ہیں کہ ماں باپ سے چھوٹی ہوئی بچی اور گھر بار سے بچھڑی دُلھن کا دل بہلا لیں
میری بیٹی فاطمہ بچہ ہے۔ خبر نہیں اس کی شادی کس عمر میں ہو۔ اور اس کو اس وقت
جب یہ اس گھر سے رخصت ہو کر ایک نئی دنیا میں قدم دھرے، کوئی شائستہ
عورت میسر ہو یا نہ ہو۔ یہ ہے وہ خیال جو اس وقت مجھے رُلوا رہا ہے۔ اور
یہ ہے وہ حسرت جس کو میں اپنے ساتھ لیجاتی ہوں۔ میرے عزیزوں میں کوئی
بیوی اس لائق نہیں جو میری درخواست کو منظور کرتی۔ اور مجھ سے وعدہ کرتی
کہ جس وقت فاطمہ کے سر پر میں نہ ہوں گی۔ اور یہ روتی دھوتی اپنے شوہر کے
ہاں سوار ہوگی۔ اس وقت وہ اس کا غم غلط کرے گی۔

اُمّ المومنینؓ کی طبیعت ان الفاظ پر زیادہ بگڑ گئی۔ اور اس قدر روئیں کہ
ہچکی بندھ گئی۔ فاطمہ اس وقت کلام اللہ پڑھ رہی تھی۔ انھوں نے اس کو اپنے
پاس بلا کر کلیجہ سے لگایا۔ اور کہا میں اپنی بچی کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ وہی سب سے
بہتر ساتھ والا اور ناصر و مددگار ہے۔ وہی اس کا دل بہلائے گا۔ اور غم غلط کریگا۔

"ام المومنین" کے رونے کا مجھ پر بھی بہت اثر ہوا۔ اور میں بھی روتی رہی۔
اس کے بعد میں نے عرض کیا:"ام المومنین" میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ اگر
اس وقت میں زندہ رہی تو اس خدمت کو بجالاؤں گی۔ انھوں نے مجھکو دُعا
دی اور میرا شکریہ ادا کیا۔ یا رسول اللہ! آج اس وعدہ کے پورا کرنے کا

Marfat.com

وقت ہے۔ اجازت دیجیے کہ میں فاطمہ کے ساتھ جاؤں۔"

رسالت مآب نے بچشم نم اسماء کی اس درخواست کو منظور فرمایا۔ ان کے واسطے دعا کی۔ اور وہ بھی بی بی فاطمہ کے ساتھ اونٹ پر سوار ہوئیں۔ اس واقعہ کی نسبت صاحب ناسخ التواریخ لکھتا ہے کہ اسماء بنت عمیس اس وقت موجود نہ تھیں۔ بلکہ یہ واقعہ سلمیٰ خواہر اسماء کے ساتھ پیش آیا۔ اس موقع پر صاحب ناسخ التواریخ کا یہ قول نقل کرنا بے محل نہ ہوگا کہ جس وقت رسالت مآب نے بی بی فاطمہ کو وداع کیا ہے اور ان دونوں میاں بی بی کو نصیحت فرمائی ہے۔ اس میں حضرت علی سے یہ بھی فرمایا تھا۔

"علی! فاطمہ کی زندگی میں تم پر دوسری عورت حرام ہے۔"

ناسخ التواریخ کے اس قول سے ہم کو اتفاق نہیں۔ یہ ارشاد احکام الٰہی کے خلاف ہے۔ اور کسی دوسری کتاب سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔ صحیحین اور اصحابہ اس پر متفق ہیں کہ آپ نے یہ فرمایا۔

"علی! فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اگر تم اس کو خوش رکھو گے تو گویا مجھے خوش رکھا۔ اور اس کو رنجیدہ کیا تو گویا مجھے رنج دیا۔"

ظاہر ہے کہ نکاح ثانی بی بی فاطمہ کی زندگی میں حضرت علی کا ایک ایسا فعل ہوتا۔ جس سے بڑھ کر کوئی رنج شوہر کی طرف سے بی بی فاطمہ کو نہ پہنچ سکتا تھا۔ مگر چونکہ خدا کی طرف سے اس کی اجازت تھی۔ اس لئے رسول اللہ ایسے الفاظ نہ فرما سکتے تھے۔ ہم کو اس وقت فلسفہ ازدواج پر بحث کرنی مقصود نہیں ہے اس لیے ہم ناسخ التواریخ کے اس قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔

حضرت علی کا گھر اس گھر سے جہاں سے بی بی فاطمہ رخصت ہوئیں کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ بہت قریب ایک حجرہ تھا جہاں یہ دونوں میاں بیوی رہنے سہنے

حضرت علی کا بیان ہے کہ "دوسرے روز جب ہم دونوں میاں بیوی اپنے حجرے میں بیٹھے تھے۔ دفعتہً حضور اکرمؐ تشریف لے آئے۔ میں اور فاطمہ دونوں تعظیم کے واسطے اُٹھنے لگے۔ تو آپ نے منع فرمایا اور ہم دونوں کو نہ اُٹھنے دیا۔ اور ہمارے بیچ میں آکر لیٹ گئے۔ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد آپ نے تھوڑا سا پانی منگوایا۔ اور اس پر کوئی دعا دم کی اور اس کے دو تین چھینٹے میرے اور فاطمہ کے منہ پر دئے۔ اور فرمایا۔

"دنیا اور دُنیا کی زندگی، دنیا اور اس کی کل کائنات فانی ہے۔ یہاں کسی چیز کو قرار نہیں۔ بیٹی اگر تجھ کو معلوم ہو جائے وہ بات جو مجھکو معلوم ہے تو دنیا تیری نظروں میں ہیچ ہوگی۔ فاطمہ تیرا شوہر علم و حلم کے اعتبار سے تمام اصحاب میں بہتر ہے۔ تیرا باپ اور تیرا شوہر دونوں فقیر نہیں ہیں۔ مگر خدا کو رضامند رکھنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔" "اس کے بعد آپ اُٹھے اور مجھکو اپنے ساتھ باہر تک لے گئے۔ اور فرمایا۔

"علی تیری بی بی فاطمہ بہترین عورتوں میں سے ہے۔ یہ میرے کلیجے کا ٹکڑا ہے۔ اور اس کی خوشی عین میری خوشی ہے۔"

"میری آنکھیں نیچی تھیں اور میں شرم کے مارے کچھ جواب نہ دے سکتا تھا۔" حضرت علی فرماتے ہیں "جب تین دفعہ رسالت مآبؐ نے فرمایا تو میں نے صرف اتنا عرض کیا۔

"صدقت یارسول اللہ"

اے خدا کے رسولؐ تو سچا ہے

Marfat.com

بی بی فاطمہ کا سلیقہ

اُس زمانہ کے گھر آج کل کے گھروں کی طرح دری اور قالینوں سے آراستہ نہ ہو سکتے تھے۔ بالخصوص اُن مسلمانوں کے جن کو دو وقت کھانا بھی مشکل سے میسر ہوتا تھا۔ لیکن سلیقہ شعار بیویوں کا سگھڑاپا کسی حال میں چھپا نہیں رہتا۔ صاحب علل الشرائع ابوہریرہ کی روایت سے ایک واقعہ کا بیان اس طرح کرتا ہے کہ حضرت علی سے جب دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا۔

"فاطمہ جس طرح بہترین مخلوق خدا ہے، اسی طرح بہترین گھر والی۔ اور یہی نہیں وہ جس طرح خدا کی عبادت فرض خیال کرتی۔ اسی طرح میری رضامندی اور گھر کی صفائی ستھرائی۔ اس کا گھر دیبا و حریر سے محروم ہے۔ لیکن جھاڑو کی ضرورت اس میں کبھی محسوس نہیں ہوتی۔ اس کی چکی گرد و غبار کا انبار اور ہمارا بچھونا خاک کا تودہ نہیں ہوتا۔ نماز صبح سے پہلے اپنے بچھونے تہ کر کے رکھ دیتی ہے۔ اور اپنے مٹی کے برتنوں کو جھاڑ پونچھ کر صاف کر لیتی ہے۔ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوتا کہ میں کھانے کے واسطے اس توقع پر گھر جاؤں کہ کھانا طیار ہوگا۔ اور محروم پھروں اس کی رِدا میں کتنے ہی پیوند ہوں مگر وہ لاپروائی سے چکٹ نہیں ہوتی۔ اور اس کا تکیہ خواہ کتنا ہی بوسیدہ ہو۔ گرد کی بھونسی اس پر کبھی نہیں ہوتی۔"

ابوہریرہ کی یہ روایت ثابت کر رہی ہے کہ بہتر سے بہتر سلیقہ شعار لڑکی زیادہ زیادہ اتنی ہی گھر کی خدمت کر سکتی ہے اور یہ ہی انتہائی سلیقہ ہے جو ایک گھر والی کو کرنا چاہیے، جس کی بابت اس کے شوہر کی رائے اتنی اچھی ہو۔

جب غزوہ بدر کی کچھ قیدی عورتیں حضور اکرمؐ کی خدمت میں آئی ہیں اس موقعہ پر بی بی فاطمہ نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ "باہر کے تمام کام علی سے

Marfat.com

متعلق ہیں۔ اور گھر کے کاروبار میری ذات سے۔ میرے دونوں ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے گٹے پڑ گئے ہیں۔ اگر ایک لونڈی مجھے عنایت ہو جائے۔ تو وہ میری ایسی بہن ہوگی جو گھر کے کام کاج میں مجھکو مدد دے۔"

آپ نے فرمایا "فاطمہ! میں تجھکو ایسی چیز بتاتا ہوں جو اس بہن سے زیادہ اچھی ہوگی۔ اور وہ یہ کہ سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۳ بار۔ اللہ اکبر ۳۳ بار اس کے بعد لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو کل شیٔ قدیر ایک دفعہ۔ یعنی یہ سب مل کر سو دفعہ ہو جائیں ننانویں دفعہ وہ اور ایک دفعہ یہ دن میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کر۔ یہ تیری ایک ایسی امانت خدا کے پاس محفوظ رہے گی جو دنیا میں بہن سے زیادہ معین اور آخرت میں تیری مغفرت کا باعث ہوگی۔"

ہم نے بی بی فاطمہ کے متعلق پچھلے موقعوں پر دو ایک واقعات سے انکار کیا ہے۔ اور جو شان سیدۃ النساء کی دکھانی ہم کو مقصود ہے۔ اس پر اس سے یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ سیدہ خانہ داری کی تکلیف سے کیوں اکتا گئیں، جو ایک لونڈی کی طالب ہوئیں۔ مگر ہم بی بی فاطمہ کو فرشتہ تسلیم نہیں کرتے۔ ہم ان کو خاصہ لوازم بشری کے ساتھ بشر مان رہے ہیں۔ اور اگر یہ دیکھکر کہ رسالتماب لونڈیاں تقسیم کر رہے ہیں وہ کام کی کثرت یا تنہائی کی تکلیف گھبرا کر ایک لونڈی کی طالب ہوئیں تو اس سے انکی پاک زندگی پر کسی قسم کا بٹہ نہیں لگتا۔ کیونکہ باوجود اس کے حضرت علی نے صریح الفاظ میں فرما دیا کہ

"مجھکو فاطمہ نے کبھی رنج نہیں پہنچایا۔ یہاں تک کہ انتقال ہو گیا۔"

ہم کو ایسے واقعات کا بھی پتہ لگ رہا ہے کہ کبھی کبھی ان دونوں میاں بیوی میں بدمزگی ہوئی اور یہ تقاضائے بشریت تھا۔ ہوا۔ ہوتا ہے۔ اور ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ صاحب علل الشرائع لکھ رہا ہے کہ

Marfat.com

"ایک روز سرورِ عالم نے نماز صبح مسجد نبوی میں پڑھی اور نماز کے بعد بی بی فاطمہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے چہرہ پر کچھ آثار غم نمایاں تھے۔ لیکن جب آپ واپس تشریف لائے تو چہرہ بشاش تھا۔ لوگوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ اُداس تشریف لے گئے تھے۔ اور خوش تشریف لائے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟" آپ نے فرمایا "ہاں میں نے ان دونوں میاں بیوی میں ملاپ کرادیا کچھ شکر رنجی ہوگئی تھی۔"

اسی طرح علل الشرائع کے حوالہ سے ایک واقعہ کی صداقت کا ذمہ دار فتان ہے کہ ایک موقع پر میاں بیوی کے اختلاف رائے کا علم حضور اکرمؐ کو ہوا آپ تشریف لے گئے۔ دونوں کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے اور معاملہ کا فیصلہ کر دیا۔

خانہ داری

طمع یعنی خانہ داری کا سامان۔ اناج ذخیرہ مہینہ دو مہینہ یا دس پندرہ روز کا تو درکنار دو چار روز کا بھی مشکل سے میسر ہوا۔ ہاں کبھی کبھی دو وقت کا تو البتہ آجاتا تھا۔ اور آتا کہاں سے۔ وہی کنواں کھودنا اور پانی پینا۔ حضرت علی کی مالی حالت بچپن ہی سے اچھی نہ تھی۔ عزیزوں نے ان کی پرورش کی۔ اس کے بعد رسالت مآب کی آغوشِ شفقت میں آگئے۔ اب جو کچھ تھا، وہ یہ تھا، کہ جو دِن بھر کمایا شام کو لے آئے۔ بعض دفعہ یہاں تک ہوا ہے کہ آبپاشی کے واسطے کنوئیں سے پانی بھرا ہے۔ اور فی ڈول ایک کھجور کے حساب سے اُجرت لی ہے۔ اور وہی کھجوریں اپنا اور بی بی کا کھانا ہوگیا ہے۔ لیکن اناج ملجانے پر جو اچھی بیبیوں کا فرض ہے۔ اس میں جناب سیدہ کی طرف سے کبھی کوتاہی نہیں ہوئی۔

Marfat.com

حضرت علی کا بیان ہے کہ "ایک موقع پر مجھکو صبح سے شام تک کچھ میسر نہ آسکا۔ میں اور فاطمہ دونوں آٹھ پہر سے بھوکے تھے۔ خیال آیا کہ سرورِ کائنات کی خدمت میں حاضر ہوں۔ مگر کچھ شرم سی آئی۔ اور نہ گیا۔ سڑک پر متحیر کھڑا تھا۔ آفتاب ڈوبنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اور مجھکو یقین کامل ہوگیا تھا کہ یہ رات بھی مجھپر اور میرے ساتھ رسول زادی پر فاقہ سے بسر ہوگی کہ دفعتہً کچھ اونٹ سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ یہ ایک تاجر کا اسباب تھا۔ میں بھی اونٹوں کے ہمراہ تھوڑی دور گیا۔ اور جب سوداگر کو اونٹوں پر سے اسباب اُتروانے کی ضرورت ہوئی تو اس نے مجھ سے بھی مدد دینے کو کہا۔ چنانچہ میں نے اس کا اسباب اُتروایا۔ اس عرصہ میں رات تقریباً ڈھائی تین گھنٹہ جا چکی تھی۔ جب میں فارغ ہوا تو سوداگر نے مجھکو ایک درم دیا۔ میں نہایت خوش ہوا۔ مگر وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں دوکانیں نہ بند ہوگئی ہوں۔ اس وقت صرف ایک جگہ سے مجھے تھوڑے سے جو میسر آسکے۔ جو میں نے خریدے۔ اور لپکا ہوا گھر آیا۔ بی بی فاطمہ نے خندہ پیشانی سے وہ جو میری جھولی میں سے لئے۔ اسی وقت ان کو پیسا۔ اور روٹی پکا، میرے آگے رکھی، جب میں سیر ہو چکا۔ تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور کہا "بے شک رسول اللہ کا ارشاد درست ہے۔ فاطمہ! بہترین عورتوں میں سے ہے۔"

اسی قسم کی ایک اور واقعہ کی روایت جابرؓ سے ہے کہ "جب ایک دفعہ بی بی فاطمہ اور حضرت علی دونوں کو دو وقت سے کوئی غذا میسر نہ آئی تھی۔ تو میں تھوڑا سا کھانا سیدہ کی خدمت میں لیکر گیا۔ اس وقت حضرت علی گھر پر موجود نہ تھے۔ سیدہ نے وہ کھانا لے لیا۔ اتنے میں حضرت علی بھی تشریف لے آئے۔ اور گھر میں سے ہو کر میرے پاس آگئے۔ باتیں کرنے لگے۔ میں نے کہا۔

Marfat.com

"آپ جایئے اور کھانا کھایئے۔" تو حضرت علی نے کہا "جب تک فاطمہ کھانا گرم کر رہی ہے۔ اس وقت تک میں تم سے باتیں کروں۔"

حسن بصری کے حوالے سے حضرت علی کا بیان ہے کہ

"باوجود کثرت عبادت کے مجھکو گھر کے کام دھندوں میں فاطمہ سے کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی۔ ایک دفعہ جب میں نے دیکھا کہ چکی پیستے پیستے فاطمہ کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ میرا دل بھر آیا۔ اور میں نے کہا فاطمہ مشکیں ڈھوتے ڈھوتے میرے کندھے بھی شل ہو گئے۔ چلو آج ہم حضور اکرم کی خدمت میں چلیں۔ اور تم ایک لونڈی کی درخواست کرو۔" چنانچہ ہم گئے اور سیدۃ النساء نے درخواست کی۔ رسالت مآب نے سُنا اور فرمایا "فاطمہ! اس وقت مسجد میں چار سو آدمی ایسے موجود ہیں۔ جن کے پاس کھانے کو ٹکڑا ہے نہ پہننے کو چیتھڑا۔ گھر کا کام خود انجام دے اور بیوی ہونے کی فضیلت کو قایم رکھ ایسا نہ ہو کل قیامت کے روز علی تجھ سے اپنا حق طلب کرے۔"

بی بی فاطمہ کا ایثار

سیدہ کے ایثار پر بحث کرتے ہوئے ہمارا کلیجہ شق ہوتا ہے۔ یہ پاک روحیں جن کے جسد خاکی آج خاک عرب میں آرام فرما رہے ہیں، انسانی دُنیا کے واسطے فرشتۂ رحمت تھیں۔ جن کی زندگیاں دوسروں کے واسطے بھی نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئیں۔ ان کا ہر قول، ہر فعل وہ سدا بہار پھول ہے۔ جس کو خزاں کبھی نہیں مرجھا سکتی۔ دنیا بدل جائے۔ آسمان لاکھوں چکر کھائے۔ مگر ان کے کارنامے ہماری آنکھوں سے چھپنے والے نہیں۔ بی بی خدیجہ کا یہ درخشندہ جوہر جو سرزمین عرب سے اُٹھکر بساط دنیا پر قمر چاردہم کی طرح جگمگایا اور

Marfat.com

رسول عرب کی یہ پیاری بچی جو آسمانِ حیات پر ایک ایسے لال کی طرح چمکی۔ جس کی روشنی آجتک تمام دنیا کو منور کر رہی ہے۔ جس کا ماں کے تمول نے مزاج نہ بگاڑا اور باپ کے افلاس نے تیوری پر بل نہ آنے دیا۔ چاہیئے تھا کہ ابتدائی پرورش اور دولت کے ناز و نعم کے بعد عسرت کو تکلیف سمجھتی، مطلق نہیں۔ وہ وقت خوشی سے اور یہ دن شکر میں بسر کر دئے اور ثابت کر دیا کہ ؎

نہ غم آور نقصانے، نہ شادی داد سامانے
بہ پیش ہمتِ ما، ہر کہ آمد، بود مہمانے

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:۔ جماعت بنی سلیم میں سے ایک شخص ایک دفعہ سرور کائنات صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آواز دی "یا محمد یا محمد" آپ نے جواب دیا۔ اس نے کہا کہ "کیا وہ جادوگر تو ہی ہے۔ جس کی بابت یہ مشہور ہے کہ سایہ نہیں پڑتا۔ مجھے اپنے بتوں کی قسم اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری قوم خوش ہوگی تو اس تلوار سے گردن اُڑا دیتا۔" حضرت عمرؓ یہ سُنکر آگے بڑھے اور چاہتے تھے کہ اُس کی گستاخی کا جواب دیں۔ آنحضرت نے منع فرمایا اور اس سے کہا "میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کا پیغام پہنچانے والا۔ اے بھائی عذاب آخرت سے ڈر اور دوزخ کی آگ کا خوف کر۔ پرستش کر۔ اُس ایک خدا کی جس کا کوئی شریک نہیں۔" اس گفتگو کا کچھ ایسا ہوا کہ اعرابی ایمان لے آیا۔ اور مسلمان ہو گیا۔" رسالت مآبؐ نے اس وقت اصحاب سے کہا کہ "اس کو کچھ آیتیں قرآن کی سکھا دو" جب وہ سیکھ چکا تو آپ نے فرمایا "تیرے پاس کس قدر مال ہے؟" اس نے کہا "قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے تجھ کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ ہم چار ہزار آدمی قبیلہ بنی سلیم میں ہیں۔ لیکن مجھ سے زیادہ فقیر کوئی نہیں۔" آپ نے اصحاب کی طرف دیکھا۔ اور فرمایا "تم میں سے کون ہے جو اسکو ایک اونٹ خرید دے۔ میں ضامن ہوتا ہوں کہ خدا اس سے بہتر بدلہ دے گا۔" سعد بن عبادہ اُٹھے

Marfat.com

اور کہا" اے خدا کے سچے رسول میرے پاس ایک اونٹنی ہے۔ جو میں اس کو دیتا
ہوں" اس کے بعد سرور کائنات نے فرمایا" اب تم میں سے کون ہے کہ اس کا
سر ڈھانک دے اور خدا کو راضی کرے" حضرت علی نے اُٹھکر کہا" میرے ماں
باپ فدا۔ یہ تعمیل میں کرونگا" اپنا عمامہ اُتار کر اعرابی کے سر پر رکھدیا۔ اب آپ نے
فرمایا" کون ہے جو اس کو خوراک وغیرہ کا سامان دے"

سلمان اُٹھے اور اعرابی کو ساتھ لیکر نکلے۔ سب کے گھروں پر گئے۔ کوئی
چیز موجود نہ تھی۔ حالت یاس میں نگاہ حضرت سیدۃ النسا کے حجرہ پر پڑی اور
دروازہ کھٹکھٹایا۔ سیدہ نے دریافت کیا" کون ہے" جواب دیا کہ" میں ہوں
سلمان فارسی" پوچھا" کیوں آئے ہو" سلمان نے پورا واقعہ بیان کرنے کے بعد
کہا کہ" اعرابی کے واسطے کھانے پینے کا سامان جمع کرنے نکلا ہوں۔ سب گھروں پر
ہو آیا۔ کوئی چیز موجود نہیں۔ طاہرہ۔ زاکیہ۔ راضیہ۔ سیدۃ النساء۔ فاطمۃ الزہرا
یہ سنکر روئیں۔ اور فرمایا۔

"سلمان قسم ہے اس خدا کی۔ جس نے میرے باپ کو پیغمبر کیا۔ آج تیسرا دن
ہے ہم سب فاقہ سے ہیں۔ دونوں بچے حسن و حسین پریشان پھر رہے تھے۔ ابھی
ابھی بھوکے سوئے ہیں۔ لیکن سائل دروازہ پر آگیا رد نہیں کرسکتی۔ اے سلمان یہ ایک
چادر موجود ہے۔ لے اور شمعون یہودی کے پاس جا اور کہہ کر فاطمہ، محمدؐ کی بیٹی
کی یہ چادر رکھ لے اور تھوڑی سی جنس قرض دیدے"

سلمان اعرابی کو لے کر شمعون کے پاس آئے۔ اور مفصل کیفیت بیان کی۔
یہودی کچھ دیر تک چادر دیکھتا رہا دفعتہً اس پر ایک خاص طاری ہوئی اور
کہنے لگا۔

"اے سلمان یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کی خبر ہمارے پیغمبر موسیٰؑ نے توریت میں دی

میں فاطمہ کے باپ پر ایمان لایا اور سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں"!

اس کے بعد اناج سلمان کو دیا۔ اور وہ لیکر حضرت سیدۃ النساء کے پاس آئے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے پیسا۔ روٹی پکائی اور سلمان کو دی۔ سلمان نے کہا "تھوڑی سی روٹی بچوں کے لئے لے لیجئے"۔ فرمایا سلمان خدا کی راہ پر دے چکی۔ اب بچوں کے لئے لینا مناسب نہیں۔ سلمان وہ روٹی لے کر سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور تمام کیفیت بیان کی رسالت مآب نے وہ روٹی اعرابی کو دی۔ اور سیدۃ النساء کے پاس تشریف لائے۔ چہرہ اداس دیکھا دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ کھانا کھائے تیسرا روز ہے۔ حضرت نے سیدۃ النساءؑ کو اپنے پاس بٹھایا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور دعا کی۔

"الٰہی فاطمہ تیری لونڈی ہے۔ اس سے راضی رہیو"۔

جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ رسالت مآب نے نماز عصر ہمارے ساتھ پڑھی جب ہم نماز پڑھ چکے تو مسجد میں بیٹھ گئے۔ دفعتہً ایک شخص جو نہایت مفلس اور فقیر معلوم ہوتا تھا۔ اندر داخل ہوا۔ بڈھا تھا اور مشکل سے چل سکتا تھا۔ بڑی دقت سے پاس آیا تو رسول اکرمؐ نے اس سے دریافت کیا کہ "کون ہے اور کیا چاہتا ہے"' بڈھے نے اپنی لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں رک رک کر کہا "اے پیغمبر بڈھا ہوں۔ ہاتھ پاؤں جواب دے چکے۔ محنت مزدوری کے قابل نہیں۔ بیکس ہوں۔ کوئی عزیز یا دوست آشنا نہیں جو اس آڑے وقت میں سلوک کر سکے۔ بھوکا ہوں کھانا کھلا۔ اور کئی وقت سے ہوں پیٹ بھر کے دے۔ ننگا ہوں بدن ڈھانک۔ مفلس ہوں کچھ خرچ دے"۔ آنحضرتؐ نے کچھ دیر غور فرما کر جواب دیا۔ "اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ مگر میں تجھکو ایک ایسے شخص کے پاس بھیجتا ہوں جو خدا کو پیارا سمجھتا ہے۔ وہ تیری مشکل میں کام آنے کی کوشش کرے گا۔"

Marfat.com

یہ فرما کر بلال کو اپنے پاس بلایا۔ اور حکم دیا کہ اس کو فاطمہ کے پاس لیجاؤ۔ چنانچہ بلال معہ عرب کے سیدہ کے پاس آئے۔ اور آواز دی۔ سیدہ نے دریافت کیا "کون ہے"؟ سائل نے کہا "میں ایک اعرابی ہوں۔ مفلسی کی وجہ سے گھر سے نکلا۔ اور سید البشر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ اے محمد کی لڑکی! بھوکا ہوں پیٹ بھر، ننگا ہوں بدن ڈھانک۔ مفلس ہوں خرچ دے۔ رسول زادی مجھپر رحم کر۔ خدا تجھپر رحم کرے گا۔"

سیدۃ النساء کی مالی حالت جس کا اوپر بیان ہوا ایسی نہ تھی کہ ان کے پاس ہر وقت کھانا موجود رہتا۔ اتفاق سے اس روز بھی کچھ نہ تھا۔ مگر جب سایل اپنی درخواست ختم کر چکا تو اُٹھیں۔ مینڈھے کی ایک کھال دکھائی دی۔ جس پر بچے سوتے تھے اُٹھائی اور لا کر سائل کو دی۔ اور کہا "خدا تجھپر رحم کرے۔ اور اس سے بہتر دے۔" سائل نے کھال لے لی۔ مگر بھوک سے پریشان تھا۔ کہنے لگا "پیغمبر زادی میں بھوک کی شکایت پہلے لے کر آیا ہوں۔ اس کے بعد باس کی، میری پہلی شکایت کو رفع کر۔ جب تک پیٹ نہ بھرے میں اس کھال کا کیا کروں گا۔" آج اتفاق سے حمزہ بن عبد المطلب کی بیٹی کی ایک کنٹھی بھیجی ہوئی گلے میں پڑی تھی وہ اُتار دی۔ اور اس کو دے کر کہا "اس کو فروخت کر اور اپنی ضرورتیں رفع کرے۔" سائل خوش ہوتا ہوا باہر نکلا۔ کنٹھی بیچی۔ کھانا کھایا اور مسجد میں آکر دعا دی کہ

"الٰہی فاطمہ، محمد کی بیٹی پر اسی طرح رحم کیجیو۔ جس طرح اس نے تیرے ایک بندے پر کیا۔"

رسول اللہ نے یہ دُعا سُنی۔ اور جب سائل دُعا ختم کر چکا تو آپ نے فرمایا "آمین"

صاحب علل الشرائع امام حسن کے الفاظ اس طرح ایک موقع پر نقل کرتا ہے

Marfat.com

" اور یہ انتہائے ایثار ہے۔ میں نے اکثر نماز عشا کے بعد اپنی محترم والدہ کو نماز صبح تک عبادت میں دیکھا۔ وہ گریہ وزاری میں مصروف رہتی تھیں۔ اور خوف خدا سے اس قدر روتی تھیں کہ ہچکی بندھ جاتی تھی۔ روتی تھیں اور دعا کرتی تھیں۔ مگر میں نے کبھی نہیں سنا کہ انھوں نے اپنے واسطے کوئی دعا کی ہو۔ ان کی تمام دعائیں مخلوق خدا کے واسطے ہوتی تھیں۔ وہ اپنے مال اور کھانے پینے ہی سے بندگانِ خدا کی خدمت نہ کرتی تھیں۔ بلکہ دعا والتجا میں بھی اُن کا حصہ ہمیشہ اپنے سے زیادہ رکھا۔ صرف ہمارے باپ حضرت علی اور ہم بچوں کے واسطے دعا ضرور ہوتی تھی۔ مگر اپنی ذات کے واسطے سوائے رضامندی باری تعالیٰ کے میں نے ان کی خواہش کبھی معلوم نہ کی"

صاحب ناسخ التواریخ ایک واقعہ نقل کرتا ہے کہ ایک موقع پر جب کامل ایک دن اور ایک رات اسی طرح بسر ہو گیا کہ حضرت علی کو کہیں سے کچھ میسر نہ ہو سکا، تو آپ دوسرے روز سہ پہر کے وقت کچھ سامان لائے۔ سیدۃ النساء نے جلدی جلدی کھانا تیار کیا۔ جب کھانا تیار ہو چکا تو سیدۃ النساء نے حضرت علی کے واسطے کھانا نکال کر علیحدہ رکھا۔ اور اپنا حصہ الگ کیا۔ اتنے میں ایک فقیر نے آکر صدا دی اور کہا "سیدہ میں بھوکا ہوں اور اب تیسرے وقت بھیک مانگنے نکلا ہوں۔ آنکھیں نہیں ہیں کہ روٹی کما سکوں۔ لنگڑا ہوں اچھی طرح چل پھر نہیں سکتا"۔ بی بی فاطمہ نے سائل کی یہ صدا سنی اور وہ کھانا جو اپنے واسطے رکھا تھا اٹھایا، اور یہ آیت پڑھتی ہوئی دروازے تک آئیں۔
ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکیناً ویتیماً واسیرا اور سب کھانا اس فقیر کو دے دیا۔

شوہر کی عظمت

صاحب علل الشرائع حضرت علی کے حوالہ سے ان کے الفاظ یوں نقل کرتا ہے:
باوجود انتہائے عبادت وریاضت کے سب سے زیادہ تعجب انگیز بات جو میں نے فاطمہ میں دیکھی وہ یہ تھی کہ اس نے کبھی میرے حق میں ذرہ بھر فرق نہ آنے دیا۔ وہ رات بھر عبادت میں مصروف رہتیں۔ لیکن گھر میں اگر اناج موجود ہوتا، تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وقت سے پہلے کھانا تیار نہ ہوگیا ہو۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سیدہؓ بیمار تھیں۔ ابھی تیمم کی آیت نہ اُتری تھی کہ اسی حالت میں انھوں نے وضو کیا۔ اور نماز کو کھڑی ہوگئیں۔ مجھکو اس رات نیند نہ آئی۔ یہاں تک کہ مؤذن نے صبح کی اذان دیدی۔ اور میں نماز کو چلا گیا۔ واپس آکر دیکھا تو سیدہؓ نماز سے فارغ ہوکر چکی پیس رہی تھیں، میں نے کہا "اے بنت رسول" تھوڑی دیر آرام لے لو۔ ایسا نہ ہو کہ مرض اور زیادہ ترقی کر جائے۔" آپ نے مسکرا کر فرمایا" دونوں کام ایسے نہیں کہ مرض کو ترقی دیں۔ خدا کی عبادت اور تمہاری خدمت مرض کا بہترین علاج ہے۔ اور اگر ان دونوں میں سے کوئی وجہ موت ہو تو اس سے بہتر اور کیا موت ہو سکتی ہے۔"

ایک موقعہ پر جب رسول اکرمؐ مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے۔ امام حسن آئے اور آپ سے نہایت خاموشی سے کچھ عرض کیا۔ رسالت مآب یہ سنکر اُن کے ساتھ ہولئے اور سیدہؓ کے گھر میں تشریف لاکر دیکھا۔ تو دونوں میاں بیوی خاموش تھے۔ رسول اللہ نے حضرت علی سے پوچھا علی خاموش کیوں ہو؟" حضرت علی نے فرمایا "میرے ماں باپ آپ پر قربان! فاطمہ مجھ سے اس لئے ناخوش ہیں کہ میں یامین یہودی کے پاس اس لئے جانا پسند

Marfat.com

نہیں کرتا کہ اس کا طرزِ سخن خوش اسلوب نہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں تکلیف اور فاقہ راحت اور سیری سے بہتر ہے۔" سیدہ چند لمحہ خاموش رہیں اور کہا "یارسول اللہؐ! میں علی سے ناخوش کبھی نہیں ہوئی اور نہ میں ان سے ناخوش ہوسکتی ہوں۔ ہاں میرا یہ خیال ضرور ہے کہ علی کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ اور یاصین کی باتوں پر دھیان نہ دھرنا چاہیے۔"

سیدۃ النسا کے یہ الفاظ کہ "نہ میں کبھی ناخوش ہوئی اور نہ ہوسکتی ہوں۔" اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ سیدۃ النساء کے دل میں شوہر کی عظمت حد سے زیادہ تھی اور جس طرح خدا کی رضامندی ان کی زندگی کا عین مقصد تھا۔ اسی طرح شوہر کی رضامندی زندگی کا اول فرض۔

عبادت

سیدہ کی عبادت ان ہی واقعات سے جو اوپر لکھے گئے ہیں۔ اچھی طرح معلوم ہوسکتی ہے کہ کس درجہ بڑھی ہوئی تھی، مگر ملّا حسن شیرازی لکھتا ہے کہ خانہ داری، شوہر کی خدمت، بچوں کی پرورش وغیرہ سے جس قدر وقت بچتا تھا اس کا بڑا حصہ خدا کی یاد میں بسر کرتی تھیں اور یہ ذکر اس حد تک ترقی کر گیا تھا کہ وہ دُنیوی کاموں میں بھی زبان پر جاری رہتا تھا۔ چنانچہ حضرت علی کے حوالہ سے علل الشرائع کا مصنف لکھتا ہے کہ ایک موقعہ پر جب وہ گھر میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ سیدہ چکی پیس رہی ہیں۔ گود میں امام حسن لیٹے دودھ پی رہے ہیں۔ اور زبان سے کلام اللہ پڑھ رہی ہیں۔

جابر انصاری کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اکرمؐ بی بی فاطمہ کے ہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ان کے جسم پر اونٹ کی کھال کا ایک لباس ہے جس میں

Marfat.com

تیرہ پیوند ہیں۔ وہ آٹا گوندھ رہی تھیں اور کلام اللہ زبان پر جاری تھا۔ رسالتمآبؐ کی آنکھ سے اس وقت آنسو ٹپک پڑے اور فرمایا۔

"فاطمہ دُنیا کی تکلیفوں کا صبر سے خاتمہ کر اور آخرت کی خوشی کا انتظار کر"

ابوہریرہ ایک موقعہ کا ذکر حضرت علی کے حوالے سے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ عید کا روز تھا، اور امام حسن دوسرے بچوں کو کپڑے پہنے دیکھکر رنجیدہ ہوئے اور ماں سے آکر کہا کہ "جب تک ہمارے کپڑے اُجلے اور اچھے نہ ہوں گے۔ ہم عیدگاہ نہ جائیں گے"۔ سیدہ نے بچہ کو گود میں لیا۔ پیار کیا۔ اور کہا "یہ کپڑے میلے ہونے والے ہیں۔ اور پھٹ جانے والے ہیں۔ تمہارے کپڑے تمہارے اللہ کے پاس ایسے موجود ہیں کہ جن سے بہتر کوئی کپڑا نہیں ہوسکتا۔ وہ تمہاری امانت موجود ہے۔ خدا کی مرضی پر راضی رہو۔ وہاں جاکر سب کچھ پہن اوڑھ لینا، سیدہ کے الفاظ کچھ ایسے دلنشین ہوئے کہ امام حسن کا تمام رنج جاتا رہا۔

امام حسن بصری کی ایک روایت ایسی موجود ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عشا کے بعد اکثر صبح تک خدا کی یاد میں مصروف رہتی تھیں۔ اور اس کے بعد اب ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ سیدہ کی عبادت پر زیادہ بحث کریں۔

خُلق

شمعون یہودی جو بی بی سیدہ کا ہمسایہ تھا۔ اور جس نے پہلے حضرت علی کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ جب مسلمان ہوچکا ہے اور اس کا تمام کاروبار بگڑ گیا تو یہودیوں نے اس کے اسلام کی وجہ سے قطعاً ملنا جلنا ترک کردیا۔ مفلس تھا اس لئے زیادہ تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ باوجودیکہ حضرت علی کو اس سے بہت کچھ اذیتیں پہنچی تھیں۔ مگر جب اس کی بیوی مری اور کفن

اتنا نصیب نہ ہوا کہ میت پر بیٹھکر دو آنسو گرا لیتا تورات کی تاریکی اور تنہائی میں بی بی فاطمہ یہ خبر سنتے ہی اس کے تمام رنج بھول گئیں۔ اور اپنی رِدا سر پر ڈال اس کے ہاں چلی گئیں۔ اور اپنے ہاتھ سے نہلا دُھلا کر اس کی میت تیار کی۔

خصائل

حضرت علی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرمؐ نے بی بی فاطمہ سے پوچھا کہ "عورت کی بہترین صفت کیا ہے؟" اور یہ وہ سوال تھا جو رسول اللہؐ نے اکثر عورتوں سے کیا۔ بی بی فاطمہ نے جواب دیا کہ "وہ کسی مرد کے دیکھنے کی کوشش نہ کرے۔ اور یہ کوشش کرے کہ کوئی نامحرم اُسے دیکھنے نہ پائے۔"

سرورِ کائنات نے بی بی فاطمہ کو اسی وقت گلے سے لگا لیا۔

فاطمہ بنت اسد کی چچازاد بہن حفصہ جو عمر میں بی بی فاطمہ سے بڑی تھیں۔ اکثر آیا کرتی تھیں۔ ایک روز جب وہ بیمار تھیں نہ آسکیں اور اپنی علالت کا حال حضرت علی کی زبانی کہلا بھیجا، خود حضرت علی کہہ رہے ہیں کہ یہ خبر سنتے ہی فاطمہ سخت بےچین ہو گئیں اور انکی عیادت کو گئیں۔ مرض ترقی کر گیا تھا یہاں تک کہ اسی میں موت ہوئی۔ مگر میں نے دیکھا کہ فاطمہ جب گھر کی ضرورتوں سے مجبور ہو کر ان کو چھوڑ کر آتیں تو ان کا دل مطلق نہ لگتا اور جس قدر جلد ممکن ہوتا گھر کی ضرورتوں سے فارغ ہو کر وہاں پہنچ جاتیں ان کا مکان ہم سے دور تھا۔ مگر فاطمہ نہایت خوشی سے اس مسافت کو دن میں دو مرتبہ طے کرلیتی تھیں۔

بی بی فاطمہ کے انتقال کے بعد جب حضرت علی سے سوال کیا گیا کہ "بنت الرسول" کیسی بیوی تھیں" تو آپ نے کہا۔

"وہ پھول جس کی خوشبو مرجھانے کے بعد بھی میرے دماغ کو معطر کر رہی ہے"

Marfat.com

بی بی فاطمہ کے اس خلق و محبت کا یہ نتیجہ تھا کہ دُور دُور کے لوگ اُن سے ملنے آتے۔ تمام مدینہ پر ان کا خاص اثر تھا۔ بڑے بڑے پیچیدہ معاملوں میں یہ لوگ اُن سے مشورہ لیتے۔ اور مدینہ کی اکثر عورتیں ان کی خدمت میں حاضر رہا کرتیں۔

ہمدردی کا مادہ کوٹ کوٹ کر قدرت نے اُنکی سرشت میں بھرا تھا۔ اور یہی تھی وہ وجہ جس نے بیوی فاطمہ کو مدینہ بھر میں ہردلعزیز بنا دیا یہ تو ایک عام عادت تھی۔ جو حضرت امام حسنؓ بیان کرتے ہیں کہ "ہماری ماں نے کبھی ہم سے یا ہمارے باپ سے پہلے کھانا نہیں کھایا" مگر صاحب علل الشرائع لکھتا ہے کہ "وہ کھانے سے پہلے ہمسایہ کی حالت دیکھ لیتی تھیں۔ اور اگر کوئی فاقہ زدہ معلوم ہو جاتا تھا تو پہلے اس کو کھلا دیتی تھیں۔ اور پھر خود کھاتی تھیں" ان باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ سارا مدینہ بی بی فاطمہ کا کلمہ پڑھنے لگا۔ کچھ مسلمانوں ہی پر موقوف نہ تھا غیر مسلم عورتیں بھی جو اسلام سے جلتی تھیں۔ ان کی دلسوزی اور ایثار کی معترف تھیں۔

ایک دفعہ ایک یہودی کی لڑکی تھوڑا سا حلوہ آپ کے واسطے لائی۔ یہ مذہب سے گو غیر تھی۔ مگر بی بی فاطمہ کے خُلق کی گرویدہ تھی۔ اور جب موقع ملتا آ نکلتی۔ اور باتیں سُنا کرتی تھی۔ اسلام کا اثر اس کے دل پر ہو چکا تھا اور وہ خفیہ طور سے اسلام قبول بھی کر چکی تھی۔ مگر ماں باپ کے ڈر سے اعلان نہ کر سکتی تھی۔ ۔ بی بی فاطمہ نے یہ سمجھ کر کہ اگر واپس کرتی ہوں تو اس کی دلشکنی ہو گی۔ اور صرف میں لاتی ہوں تو یہودی کا مال ہے نہ معلوم جائز پیسہ سے پکایا گیا ہے یا ناجائز سے، اپنے صرف میں لانا پسند نہ کیا۔ ملا حسن شیرازی کہتے ہیں فضہ نے جب یہ حقیقت معلوم کر لی تو صلاح دی کہ کسی سائل کو دیدیجئے۔ بی بی فاطمہ نے فرمایا

Marfat.com

"فضہ کیا کہا۔ جو چیز ہم اپنے واسطے پسند نہ کریں وہ خدا کے واسطے کیونکر پسند کر سکتے" ہیں۔ خبردار آیندہ ایسا خیال نہ کرنا جاؤ اور کسی یہودی کو تلاش کر کے یہ طباق اس کو دیدو"

یہی لڑکی ایک دفعہ کچھ دینار کچھ درم لے کر آئی اور چاہا کہ بی بی فاطمہؓ قبول کریں۔ مگر آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیے کہ "یہ تمہاری ملکیت نہیں تمہارے باپ کی ہے اگر تم با اجازت لائیں تو وہ اسلام کا دشمن ہے ہرگز اس کو روا نہ رکھے گا کہ اس کی کمائی اسلام پر صرف ہو۔ اور اگر بلا اجازت لائیں تو چوری ہوگئی لے جاؤ۔ اور واپس کر دو۔ دیکھو آیندہ ایسا نہ کرنا۔ خدا کسی چیز کا محتاج نہیں۔ وہ صرف نیت دیکھنے والا ہے۔ اگر تمہارے پاس کچھ نہیں ہے تو اس کی پرواہ نہ کرو۔ مگر اس کے احکام پر کاربند اور اس کی مشیت پر راضی ہو"

جس وقت کلام اللہ میں عذاب دوزخ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے وان جھنم لموعدھم اجمعین تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم شدت سے روئے اور اتنا روئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت دیکھکر محبت کی وجہ سے اکثر اصحاب رونے لگے۔ چونکہ کسی کو گریہ آنحضرت کا سبب معلوم نہ تھا۔ اس لئے سب خاموش تھے۔ رسالتماب کی یہ عادت تھی کہ سیدۃ النساء کی صورت دیکھکر ہمیشہ خوش ہوتے تھے۔ لوگوں نے تجویز کی کہ کسی طرح اس پاک بی بی کو بلا کر لائیں کہ آنحضرت کا رنج وغم اور یہ رونا کم ہو۔ اور خیالات بدل جائیں۔ سب ملکر حضرت سیدۃ النساء کے دروازے پر آئے۔ سلمان اندر گئے تو دیکھا۔ وہ مقدس بی بی چکی پیس رہی ہے۔ اور ایک آیت پڑھ رہی ہے مفصل کیفیت بیان کی۔ اور درخواست کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں۔ سیدۃ النساء یہ سنکر اٹھیں اور

Marfat.com

ایک کمبل اوڑھا۔ جس میں بارہ سے زیادہ پیوند تھے۔ سلمان کا یہ حال دیکھکر دل بھر آیا۔ اور کہا "قیصر و کسریٰ ریشم و حریر کا لباس پہنیں اور پیغمبر آخر الزمان کی بیٹی کے لباس میں اتنے پیوند ہوں!" یہ کہتے تھے اور روتے تھے۔ جس وقت رسالت مآب صلعم کی خدمت میں سب حاضر ہوئے تو سیدۃ النساء نے واقعہ بیان کیا کہ "میں چکی پیستی جاتی اور یہ آیت پڑھتی جاتی تھی۔ قسم ہے خدا کی پورے پانچ برس ہو گئے کہ میرے اور میرے خاوند کے پاس بکری کی کھال کے سوا کوئی چیز بچھانے کو نہیں ہے۔" رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُنکر فرمایا "فاطمہ! میری بیٹی کے صبر کا بدلہ خدا کے پاس امانت ہے۔" اس کے بعد سیدۃ النساء نے آنحضرت سے عرض کیا کہ "اے باپ! کس چیز نے آپ کو اس قدر رُلایا ہے۔" رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آیت سُنائی۔ سُنتے ہی سیدۃ النساء خوف خدا سے گر پڑیں۔ بار بار اس آیت کو پڑھتی رہیں اور روتی رہیں۔

شفقتِ پدری

سیر کی تمام کتابیں اس پر متفق ہیں کہ بی بی فاطمہ رفتار میں۔ گفتار میں۔ عادات اطوار میں سب سے زیادہ رسول اکرم سے مشابہ تھیں۔ خود رسالتمآب انکی عزت کرتے تھے۔ بعض مؤرخین یہاں تک بیان کر رہے ہیں کہ جب وہ تشریف لاتی تھیں تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور ان کا ہاتھ پکڑ کے اپنے پاس بٹھاتے تھے۔ چنانچہ "صحیحین" میں ابن عباس سے ایک روایت اس طرح ہے کہ جب "امہات المومنین" نے جمع ہو کر یہ بات تجویز کی کہ بیویوں کی باری کے متعلق رسالت مآب سے کچھ عرض کریں تو سب نے مل کر ام سلمہ کو آپ کی

Marfat.com

خدمت میں بھیجا۔ مگر وہ جب ناکام آئیں تو بی بی فاطمہ سے درخواست کی کہ وہ جاکر تصفیہ کر دیں۔ جب بی بی فاطمہ گئیں تو رسالتمآب نے ان کو بوسہ دیا۔ اور فرمایا۔ "بیٹی کیا تو اس چیز کو پسند نہ کرے گی، جس کو میں عزیز سمجھتا ہوں"۔ بی بی فاطمہ نے فرمایا میں ضرور اُسے عزیز رکھوں گی"۔ اتنا سنتے ہی رسالتمآب نے بی بی فاطمہ کو گلے سے لگا لیا۔

بی بی فاطمہ کی فضیلت کی وجوہ جو کچھ بھی ہوں مگر اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ کو ان سے ایک خاص شغف تھا۔ اور چند روز کی مفارقت میں بیچین ہو جاتے تھے۔ اسی لئے جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے بی بی فاطمہ کے ہاں جاکر اُن کو دیکھ لیتے اور انکی خیریت معلوم کرنے کے بعد اور گھروں میں تشریف لے جاتے اور ہمیشہ یہ فرماتے۔

"فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جو اس کو دوست رکھے گا وہ مجھکو دوست رکھے گا"۔

علل الشرائع کا مصنف لکھتا ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

"کوئی عورت اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگی۔ جب تک فاطمہ نہ داخل ہو جائے"۔

احد کی مشہور لڑائی میں سرورعالم سخت زخمی ہوئے اور مسلمانوں کو آپ کی جانبری کی کوئی امید نہ رہی۔ مدینہ میں آپ کی خبر شہادت مشہور ہوگئی اس وقت جو مسلمان عورتیں اپنے رسول کی محبت میں بیتاب ہو کر گھر سے باہر نکلیں اور موقعہ پر آئیں ان میں جگر گوشۂ رسول بی بی فاطمہ بھی تھیں۔ یہ سُنکر کہ آپ زندہ ہیں مگر زخموں سے نڈھال اور بیہوش۔ دیوانہ وار خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ دیکھا کہ سرورکائنات زخموں کی تکلیف سے بیہوش پڑے ہیں

Marfat.com

بی بی فاطمہ نے آپ کا سر مبارک اٹھا کر اپنی گود میں رکھا۔ اور بے چین ہوگئیں۔ آنکھ سے زار قطار آنسوؤں کی جھڑیاں بہہ رہی تھیں۔ اور سرور عالم کے جسم مبارک سے خون رواں تھا۔ حضرت علی اس موقعہ پر پانی بھر بھر کر لائے۔ اور بی بی فاطمہ نے تمام زخموں کو اپنے ہاتھ سے دھویا۔ جب تمام جسم اور چہرہ دھو کر صاف کر لیا۔ تو بوریا جلا کر اس کی راکھ زخموں پر چھڑکی۔ اور پٹیاں باندھیں۔ اس بیماری کی تکلیف میں سیدہ نے اس قدر رسول اکرم کی تیمار داری اور خدمت کی کہ اپنے تمام آرام آسائش کو رسول اکرم پر سے قربان کر دیا۔ جب سرور کائنات نے غسل صحت فرمالیا ہے تو بی بی فاطمہ اپنے گھر گئیں۔ ورنہ اس تمام عرصہ میں ایک لمحہ کو بھی سرور عالم کو تنہا نہ چھوڑا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد رسول اکرم صلعم دوبارہ بیمار پڑے۔ اور اس موقعہ پر بھی بی بی فاطمہ نے ویسی ہی تیمار داری کی۔ مختصر یہ ہے کہ بی بی فاطمہ کو رسول اللہ سے اور رسول اللہ کو سیدہ سے محبت نہیں۔ ایک عشق تھا۔ اور جس طرح رسول اللہ اُن کے بغیر بے چین ہو جاتے تھے۔ اسی طرح وہ بھی رسالت مآب کی جدائی سے بیتاب ہو جاتی تھیں۔ ایک موقع پر حضور اکرم نے حضرت علیؓ سے فرمایا "تم نے ہم کو کبھی دیکھا ہے" حضرت علیؓ اس جواب سے متعجب ہوئے۔ تھوڑی دیر تامل فرمایا تو رسالت مآب نے پھر وہی سوال کیا کہ "علی تم نے کبھی ہم کو دیکھا ہے" حضرت علی متعجب تھے۔ پھر سہ بارہ رسول اللہ نے یہی فرمایا تو عرض کرنے لگے" روحی فداک یا رسول اللہ میں نے اچھی طرح دیکھا ہے۔ غزوۂ بدر میں۔ جنگ حنین میں۔ غرض بڑے بڑے موقعوں پر آپ کی دلیری و شجاعت دیکھ چکا ہوں۔ نبوت کی نشانیاں میں نے دیکھیں۔ خلق رسول اللہ میں نے دیکھا۔ کرم۔ رحم انصاف ہر چیز دیکھی۔ یا رسول اللہ میں ہر وقت حاضر

Marfat.com

رکاب رہتا ہوں۔ اور ہر لمحہ آپ کو دیکھتا ہوں۔ اور اس وقت بھی چہرۂ اقدس کی زیارت کر رہا ہوں۔"

آپ نے فرمایا "نہیں علی تم نے ہم کو نہیں دیکھا۔" اتنا سنتے ہی علی کرم اللہ وجہہ پر ایک خاص حالت طاری ہوگئی۔ وہ اس قدر رنجیدہ اور متاثر ہوئے کہ بخار چڑھ آیا۔ کانپتے ہوئے گھر آئے اور مفصل کیفیت بیان کی۔ سیدہ نے اس کیفیت کو سنکر حضرت علی کو کمبل اڑھا دیا۔ اور رسول اللہ کو بلا بھیجا۔ رسول اکرم تشریف لائے تو بی بی فاطمہ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ آپ نے آج علی کا دل توڑ دیا۔ آپ علی کو اپنا جمال دکھا دیجئے کہ تسکین ہو اور یہ تکلیف کم ہو۔" رسالت مآب نے فرمایا۔ "علی اٹھو۔" اور اپنا دستِ مبارک سیدۃ النساء کے کندھے پر رکھ کے فرمایا۔ "علی آؤ مجھے دیکھو۔" حضرت علی کو بخار شدت سے تھا۔ اس وقت رسالت مآب کے چہرے میں ایسی دمک دیکھی کہ گر پڑے۔

مؤرخین بالاتفاق اس موقعہ پر لکھتے ہیں کہ جناب سیدہ کی خاطر اتنی رسول اکرم کو منظور تھی کہ بی بی فاطمہ کی درخواست ردّ نہ فرمائی۔ اور طیب خاطر منظور کرلی۔

صاحب ناسخ التواریخ ایک واقعہ ان الفاظ میں نقل کرتا ہے۔ جناب رسالت مآب نے دو وقت سے کھانا نہ کھایا تھا۔ اتفاق سے حضرت عثمانؓ کو یہ علم ہوا اور وہ تھوڑا سا کھانا خدمتِ اقدس میں لیکر حاضر ہوئے، آپ نے کھانا لے لیا۔ مگر تناول نہ فرمایا۔ جابر انصاری بھی حضور کی بھوک سے واقف تھے کچھ کھانا لائے۔ آپ نے وہ بھی لے لیا۔ اور نہ کھایا۔ اس وقت جناب سیدہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئیں۔ کھانا ساتھ تھا۔ روئیں اور عرض کیا۔ "یا رسول اللہ آج دو وقت کے بعد یہ تھوڑا سا کھانا میسر آیا ہے۔ علی سیر ہو چکے ہیں۔ آپ اگر

Marfat.com

شرکت فرمائیں تو میں بھی پیٹ بھر لوں" رسالت مآب نے بی بی فاطمہ کی پیشانی کو فرطِ شفقت سے بوسہ دیا اور کھانا تناول فرمالیا۔

یہی مؤرخ لکھتا ہے۔ جب مغیرہ نے یہ درخواست کی ہے کہ سرورِ کائنات اپنے جسم مبارک کا پھٹا ہوا کرتہ مجھکو عنایت فرمادیں اور صرف اس لئے کہ وہ زکوٰۃ کے حکم کی تعمیل نہ کرتا تھا، آپ ناخوش تھے۔ اُس کی درخواست منظور نہ فرمائی۔ لیکن اس نے جب کوئی چارہ نہ دیکھا تو بی بی فاطمہ سے التجا کی۔ اور آپ نے اس کی سفارش فرمائی تو رسول اللہ نے اس کی درخواست منظور فرماکر اپنا کرتہ اس کو دیدیا۔

"ام المومنین" عائشہ ؓ صدیقہ
اور
سیدۃ النسا فاطمۃ الزہرا کے تعلقات

ایک غلط خیال بعض مسلمانوں کا خیال ہے۔ اور کچھ آج سے نہیں ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ "ام المومنین" عائشہ صدیقہ اور سیدۃ النسا فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے دلوں میں رنجش تھی اور سرورِ کائنات کے زمانۂ حیات ہی میں یہ بیج دونوں کے دلوں میں پرورش پا چکا تھا۔ جو رسالت مآب ؐ کے انتقال کے بعد مختلف صورتوں میں ظاہر ہوا۔ مگر واقعات پر غور کرنے سے یہ خیال درست نہیں معلوم ہوتا۔ بی بی فاطمہ کے مزاج میں ایک صفت یہ بھی تھی کہ ان کی طبیعت کینہ پرور نہ تھی۔ اگر کوئی بات اُن کو ناگوار ہوتی تھی یا کسی شخص سے کوئی تکلیف پہنچتی تھی تو اس کا اثر عارضی ہوتا تھا۔ اور کچھ عرصہ بعد زائل ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ابن عبد اللہ

Marfat.com

اندلسی ابوسفیان کی روایت سے امام حسن کے الفاظ یوں لکھ رہا ہے کہ "ہماری ماں کی طبیعت میں کینہ نہ تھا۔ وہ خفا ہونے کے بعد فوراً ہی رضامند ہو جاتی تھیں"۔ گویا سیدہ کا غصہ دودھ کا ایک ابال تھا کہ سخت تکلیف کی حالت میں تھوڑی دیر کے واسطے اس کا احساس ہوا۔ اور زائل ہو گیا۔ زمانہ حیات رسالت مآب میں وہی واقعہ جو "صحیحین" میں درج ہے۔ اور اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس دعوے کو ثابت کرتا ہے کہ جب رسالت مآب نے یہ فرمایا کہ "میں عائشہ کو عزیز رکھتا ہوں"۔ تو بی بی فاطمہ نے یہ ہی جواب دیا کہ "میں بھی اس کو جسے آپ عزیز خیال کریں۔ عزیز سمجھتی ہوں"۔ "ام المومنین" اس لئے کہ وہ رشتہ میں ماں تھیں۔ اپنی بزرگی کے لحاظ سے بہت کم بی بی فاطمہ کے پاس آئیں۔ لیکن سیدہ آخر وقت تک انکی خدمت میں حاضر ہوتی رہتیں اور دیر تک باتیں کرتیں۔ سرور کائنات کے بعد بھی باوجود خلیفہ اول کی خلافت کے بی بی فاطمہ رض "ام المومنین" سے اکثر ملتی جلتی رہیں۔ اور جو ادب و احترام سرور کائنات کی زندگی میں "ام المومنین" کا تھا۔ وہ ان کے بعد بھی رہا۔ اسی طرح "ام المومنین" نے جو شفقت بزرگانہ رسول اکرم کے زمانہ حیات میں سیدہ پر رکھی وہ انتقال کے بعد بدستور رہی۔ چنانچہ جس وقت امیر معاویہ نے مدینہ منورہ میں ایک عام جلسہ کیا۔ اور امام حسین رض سے بیعت کی درخواست کی۔ تو گو بی بی فاطمہ زندہ نہ تھیں مگر "ام المومنین" یہ سنکر برافروختہ ہو گئیں۔ امام حسین رض کے انکار بیعت پر امیر معاویہ کے ایک دستہ فوج نے تلواریں نکال لی تھیں۔ "ام المومنین" نے جب یہ سنا تو غصہ میں تھر تھر کانپنے لگیں اور اسی وقت مسجد نبوی میں آکر امیر معاویہ کو بلایا۔ اور کہا۔

"سنا ہے کہ تو نبی برگزیدہ کے نواسے حسین رض سے گستاخی سے پیش آیا۔ تجھے

معلوم نہیں کہ گو اس کی ماں موجود نہیں۔ مگر میں زندہ ہوں اور دم بھر میں تیرا زور ڈھا دوں گی۔"

اگر "ام المومنین" کے دل میں بی بی فاطمہ کی طرف سے کوئی رنجش ہوتی یا ان کے تعلقات سے ناخوش ہوتیں تو ہرگز اس طرح ان کے بچے کی حمایت کو نہ کھڑی ہوتیں، اور یہ نہ کہتیں کہ "اس کی ماں موجود نہیں ہے۔ مگر میں موجود ہوں" اس لئے یہ خیال کہ ان دونوں میں رنجش تھی۔ یقیناً غلط ہے۔ بی بی فاطمہ کی طبیعت اس قسم کی واقع ہی نہ ہوئی تھی کہ ان کے دل میں کوئی بات رہتی۔ چنانچہ انتقال سے تین روز قبل انھوں نے "ام المومنین" سے کھلے ہوئے الفاظ میں کہا تھا کہ "اگر میرا کوئی فعل کبھی خلاف مزاج ہوا ہو۔ تو عند اللہ اس کو معاف فرما دیجئے گا۔" "ام المومنین" یہ سنکر رو دیں اور بیٹی کو گلے سے لگا لیا۔

سلمہ بنت الزبیر مزاج کی تیز تھیں اور جس طرح بڑی بوڑھیاں لڑکیوں پر تنبیہہ کرتی رہتی ہیں۔ وہ سیدۃ النساء پر بعض دفعہ انتہائے ریاضت اور کثرت عبادت پر اعتراض کر بیٹھتیں۔ ایک دفعہ یہاں تک انھوں نے کہدیا کہ "اپنے جسم کو مٹی میں ملا دینا کہاں کی عبادت ٹھہری"۔ مگر بی بی فاطمہ ہمیشہ ان کے کہنے کو سنکر ٹالدیتیں۔ اور ان کی تعظیم و تکریم میں فرق نہ آنے دیتیں۔

علم

سیدۃ النساء سے اکثر روایتیں موجود ہیں وہ علی الاعلان مسجد نبوی ؐ میں وعظ فرماتی تھیں۔ کلام اللہ پر ان کو عبور تھا۔ اور جس وقت وعظ کہتی تھیں تو سامعین پر اس قدر اثر ہوتا تھا کہ لوگوں کے روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی۔ شعر بہت کم کہتی تھیں۔ مگر تقریر ایسی بے نظیر ہوتی تھی کہ سبحان اللہ۔ درس

Marfat.com

بھی دیتی تھیں۔ اور تمام عرب میں ان کی قابلیت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ ملا حسن شیرازی کہتا ہے کہ "ان کو کلام اللہ پر اس قدر عبور تھا کہ بعض دفعہ انکی تمام گفتگو کا ماخذ کلام اللہ ہوتا تھا۔" اس نے ایک موقعہ پر ایک سائل اور سیدہ کا مکالمہ درج کیا ہے اور یہ مکالمہ بہت طویل ہے جس میں اس کے ہر سوال کا جواب بی بی فاطمہ نے محض کلام اللہ سے دیا ہے۔ ہم طوالت کے خیال سے اس کو نظر انداز کرتے ہیں۔ وہ ایک جگہ لکھ رہا ہے کہ رسالت مآب کے انتقال کے بعد شام کے ایک تاجر کو جو مسلمان ہو چکا تھا کلام اللہ کی ایک آیت کے سمجھنے میں دقت ہوئی۔ چنانچہ وہ اس مرحلہ کو طے کرنے کے واسطے آیا۔ چاروں طرف پھرا۔ مگر کسی کے جواب سے اس کی تشفی نہ ہوئی تو سیدہ رضی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے اس کی تفسیر اس خوبی سے بیان کی کہ تاجر مطمئن ہو گیا۔

صاحب علل الشرائع اس بڑھیا کی بابت جس نے خلیفۂ دوم کو دوران وعظ میں بڑے مہر کے باندھنے کی ممانعت پر ٹوک دیا تھا۔ اور کہا تھا "خاموش رہ۔ کلام اللہ کے خلاف کہہ رہا ہے۔" اور فاروق اعظم کو اس کا اعتراض تسلیم کرنا پڑا تھا۔ لکھتا ہے۔ "یہ بڑھیا اسماء بنت عمیس تھی۔" جس کا تمام وقت سیدۃ النساء کی خدمت میں صرف ہوتا تھا۔ اور انھی کا فیض صحبت تھا کہ بڑھیا کلام اللہ سے اچھی طرح واقف ہو گئی تھی۔

ملا کا بیان ہے کہ ایک موقعہ پر جب رسالت مآب سفر میں تشریف فرما تھے، نماز جمعہ کے بعد سیدہ رضی نے مسجد نبوی میں وعظ فرمایا۔ اس آیت کی تفسیر کر رہی تھیں۔

قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا۔

سامعین میں ایک شخص حارث ابن سعد بھی موجود تھا۔ وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس کا کلیجہ شق ہوگیا۔ اور وہیں چیختا پیٹتا مر گیا۔

ہم کو یہاں تک تو پتہ چل رہا ہے کہ سیدہ نے اشعار فرمائے۔ اور وہ بعض دفعہ شعر کہتی تھیں۔ مگر افسوس باوجود تلاش و محنت کے سیدہ کا کلام ہم کو میسر نہ آسکا۔ صرف ایک ایرانی مؤرخ کچھ پیش کر رہا ہے۔ لیکن اس کی تائید کسی دوسری کتاب سے نہیں ہوتی۔

بچے

۵ ار رمضان المبارک ۳ھ ہجری کو خدائے پاک نے سیدہ کو صاحب اولاد کیا۔ اور ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اسماء بنت عمیس نے اس بچہ کی پرورش میں بہت حصہ لیا ہے۔ رسالت مآب صلعم نے جب پیدائش کی خبر سُنی تو تشریف لائے۔ بچہ کو گود میں لیا۔ اور حسن نام رکھا۔ ۵ ر شعبان ۴ھ ہجری کو یعنی قریباً ایک سال بعد دوسرا بچہ پیدا ہوا۔ جس کا نام سرورِ کائنات نے حسین رکھا۔

سیدۃ النساء کے بطن سے چھ بچے پیدا ہوئے۔ حسنؑ۔ حسینؑ، رقیہ۔ ام کلثوم زینبؑ اور محسنؑ۔ دو صاحبزادیاں زینب اور کلثوم عمر طبعی کو پہنچیں۔ مگر محسن کی پیدائش میں دونوں اہل سنت و شیعہ کچھ تھوڑا سا اختلاف رکھتے ہیں۔

بچوں کی تربیت

حسنین علیہم السلام کی زندگی سے جو فیض دُنیا کو پہنچا۔ ان کی قابلیت اُن کا علم و حلم۔ انکسار۔ خلق۔ ریاضت۔ عبادت یہ سب پاک ماں کی گود کا اثر تھا۔ وہ بچوں کو

Marfat.com

سُلاتے وقت بھی بطور لوری کے کلام اللہ کی آیتیں پڑھتی تھیں اور شروع ہی سے ان کے کانوں میں خدا کی عظمت جاگزین ہوتی تھی۔ انھوں نے ان بچوں کو سمجھایا تو خدا کے کلام سے، ڈرایا تو خدا کے کلام سے، چنانچہ صاحب علل الشرائع کہہ رہا ہے کہ ایک دفعہ دونوں بچوں میں کچھ لڑائی ہوئی۔ اور مار کٹائی تک نوبت پہنچ گئی۔ چوٹ دونوں کے لگی اور روتے ہوئے ماں کے پاس آئے۔ بڑے نے چھوٹے کی شکایت کی اور چھوٹے نے بڑے کی۔ آپ نے دونوں کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور فرمایا "تمہارا اللہ تو تم کو یہ حکم دے رہا ہے کہ تم آپس میں لڑ جھگڑ کر فتنے برپا نہ کرو۔ اور تم خدائے برحق کے حکم کے خلاف باہم لڑتے جھگڑتے ہو۔ اس بحث کو تو جانے دو کہ کس نے زیادہ مارا۔ اور کس نے کم۔ ابتدا کس سے ہوئی اور بے قصور کون تھا۔ مگر خدا کی نافرمانی تو تم دونوں سے ہوئی۔ بتاؤ خدا کے ہاں اس کا کیا جواب دو گے"

ماں کا کہنا کچھ ایسا کارگر ہوا کہ دونوں بچے اپنی اپنی شکایتوں کو بھول گئے اور خوفِ آخرت سے رونے لگے۔ جب رو چکے تو ماں سے عرض کیا "ہمارے گناہ اب تو خدا سے معاف کروا دیجئے۔ آیندہ ہم سے ایسی خطا ہرگز نہ ہوگی" آپ نے فرمایا "اچھا وضو کرو۔ اور میرے پاس آؤ" دونوں لڑکے دوڑے دوڑے گئے۔ اور وضو کر آئے۔ تو آپ نے ان کو سجدے میں گرایا۔ اور کہا "لو اپنے قصور کی خدا سے معافی مانگو" بچے رو رو کر اپنے قصور کی مالک حقیقی سے معافی طلب کر رہے تھے۔ اور ان کے ساتھ ہی سیدہ بھی گریہ وزاری میں بچوں کے ساتھ مصروف تھیں۔

یہی مؤرخ کہتا ہے کہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا جو سیدہ کی صاحبزادی تھیں۔ وہ صاحبزادی جن کے دو بچے عون اور محمد، سید الشہدا کے ساتھ

Marfat.com

میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ بچپن میں ایک روز کلام اللہ پڑھ رہی تھیں اور استغراق کی یہ کیفیت تھی کہ ان کو کسی چیز کا مطلق ہوش نہ تھا۔ سر سے ردا اُتر گئی۔ ان کو خبر نہ ہوئی۔ ننگے سر تلاوت کرتی رہیں۔ اتفاق سے ماں کی نظر پڑ گئی۔ اُٹھیں، قریب آئیں۔ ردا اُڑھا دی اور فرمایا۔

"بیٹی! خدا کا مقدس کلام اور ننگے سر!"

رسول اللہ ﷺ کے آثارِ رحلت

اب وہ وقت تھا۔ کہ بڑے بڑے جابر و سرکش جو اسلام کے نام سے جلتے تھے۔ مسلمان ہو چکے تھے۔ "قریش" کا سرگروہ ابو سفیان ایمان لا چکا تھا۔ یمن میں اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی۔ طائف فتح ہو گیا تھا۔ اور وہ مٹھی بھر مسلمان جن کو ایک وقت میں خدا کی پاک ذات کے سوا کوئی سہارا نہ تھا۔ ہزاروں تک پہنچ گئے تھے۔ "قریش کا زور ڈھے گیا۔ منافقوں کے دل بجھ گئے۔ اور عرب کا بڑا حصہ اسلام کی روشنی سے جگمگا اُٹھا۔ ہجرت کا دسواں سال تھا کہ سرورِ کائنات نے "خانہ کعبہ" کا حج کیا۔ جو "حجتہ الوداع" کے نام سے مشہور ہے، اور لوگوں کو احکام حج بتائے۔ اسی اثناء میں یہ آیت نازل ہوئی۔

"کافر آج کے دن مایوس ہو گئے۔ پس تم ان کا خوف نہ کرو۔ مجھ سے ڈرتے رہو۔ آج کے روز پورا کر دیا میں نے تمہارا دین، اور تمام کر دی تمہارے اوپر اپنی نعمت۔ اور راضی ہوا میں تمہارے دین اسلام سے"

اس آیت کے نازل ہوتے ہی لوگ سمجھ گئے کہ اب سرور عالم کو دنیا سے

لہ الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشون الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

Marfat.com

رہنے کی ضرورت نہیں۔ اسلام کا وہ کام اور خدمت جس کے لئے خدا نے اپنے پاک بندے کو ہمارے واسطے بھیجا تھا۔ ختم ہوا۔ اور اب سرورِ کائنات چند روز کے مہمان ہیں۔ خلیفہ اول ابوبکر صدیق یہ آیت سُنکر بہت روئے۔ اور سمجھ گئے کہ جدائی کا وقت قریب آگیا۔ بی بی فاطمہ نے جس وقت یہ آیت سُنی تو سرورِ کائنات کے فراق کے خیال سے اس قدر روئیں کہ بیتاب ہوگئیں۔ اور اسی حالت میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں پہنچکر رسالتمآبؐ کے پاک چہرے کی زیارت کرلی تو تسکین ہوئی۔

حج سے واپس آتے ہی سرورِ کائنات کی طبیعت کچھ علیل ہوگئی تھی۔ مگر خیال یہ تھا کہ شاید راستہ کی تکان اور سفر کا اثر ہوگا۔ مگر وہ علالت بجائے رفع ہونے کے ترقی کرتی گئی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ کسی میت کے دفن میں شرکت فرمانے بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس آئے تو دیکھا کہ "ام المومنین" عائشہ سر کو پٹی باندھے ہائے ہائے کر رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا: "عائشہ میرے سر میں بھی درد ہے۔" "اُم المومنین" نے کہا "اگر اِس دردِ سر میں مرگئی تو آپ جھٹ اور شادی کرلیں گے۔" رسول اکرمؐ "اُم المومنین" کے اس کہنے پر مسکرائے۔ بات گئی گزری ہوئی۔ مگر "اُم المومنین" کا درد دوسرے روز جاتا رہا۔ اور رسالت مآبؐ کا بخار بڑھتا گیا۔ کئی روز تک آپ اسی حالت میں گھر میں پڑے رہے۔ اور باہر تشریف نہ لاسکے۔ ایک دن جب کچھ افاقہ ہوا تو باہر تشریف لائے۔ لوگ اپنے رسولؐ کی زیارت کو ترس گئے تھے۔ سرورِ کائنات کے تشریف لاتے ہی اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح شمع پر پروانے۔

سرورِ کائنات کی اس علالت و حالت نے سیدہؓ کی حالت خراب کردی۔ ان کا دل فطرتاً کمزور واقع ہوا تھا۔ ماں کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اُٹھ چکا تھا۔ اور گو حضرت علی جیسا شوہر اور حسنین جیسے بچے موجود تھے۔ مگر سرورِ عالم

Marfat.com

کی رحلت کا خیال ان کو سخت بیچین کر رہا تھا۔ انھوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی حالت مرض میں اپنے مقدس باپ کی پٹی نہ چھوڑی ہر وقت انکی خدمت اور تیمار داری میں مصروف رہتیں۔

اصابہ کا مصنف لکھ رہا ہے کہ جب بی بی فاطمہ کی حالت زیادہ خراب ہوئی اور سرورِ کائنات کو اندیشہ ہوا کہ فاطمہ تڑپ تڑپ کر نہ مرجائے۔ تو آپ نے فاطمہ کو اپنے پاس بلایا۔ اور آہستہ سے کان میں فرمایا۔

"تم گھبراؤ نہیں۔ سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملوگی"

رسول اکرمؐ کے یہ الفاظ سُنکر سیدۃ النساء کے چہرہ پر مُسکراہٹ آگئی اور وہ رنج اس خیال سے تھوڑی دیر کے واسطے زایل ہو گیا۔

سرورِ کائنات باہر تشریف لے گئے۔ تو آپ نے اسی حالت مرض میں خطبہ پڑھا۔ اور مُسلمانوں کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔

اس وقت جو خاص واقعہ پیش آیا بظاہر اس کتاب کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر حضرت علی کا تعلق جو کچھ رسول خدا سے تھا۔ اس کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں۔ اس لئے نقل کرتے ہیں۔

خطبہ اور نصیحتوں کے بعد سرورِ کائنات نے حکم دیا "اگر تم میں سے کسی کا کوئی حق مجھ پر ہو تو طلب کرے تاکہ آخرت کا مواخذہ نہ رہے۔"

ایک صحابی جن کا نام عکاشہ تھا سُنتے ہی آگے بڑھے۔ اور کہا، "ایک دفعہ جہاد کے موقعہ پر آپ اونٹ کو کوڑا مار رہے تھے۔ اتفاق سے میرے لگ گیا۔"

سرورِ کائنات نے فرمایا، "اچھا وہ کوڑا منگوالو" چنانچہ وہ کوڑا فوراً آگیا اور آپ نے عکاشہ سے فرمایا، "لو عکاشہ اپنا بدلہ لے لو۔"

اس وقت صحابہ کی جماعت پر ایک سناٹا تھا۔ لوگ پریشان تھے کہ یہ شخص جو ہمیشہ

Marfat.com

رسول اکرم سے عشق و محبت کا دعویٰ کرتا رہا۔ اس وقت سرورِ کائنات
بیمار ہیں ضعف کی یہ حالت ہے کہ اچھی طرح کھڑے بھی نہیں ہو سکتے۔ بخار
چڑھا ہوا ہے۔ ایسی گستاخی کی جرأت کس طرح کر رہا ہے؟ جب کوڑا آ گیا تو عکاشہ
نے کہا۔

"یا رسول اللہ اس وقت جب کوڑا لگا ہے میں ننگے بدن تھا۔ میرے تن پر
کوئی کپڑا نہ تھا۔ اس لئے آپ بھی اسی طرح قصاص دیجئے۔" سرورِ کائنات
صلعم نے یہ سنتے ہی اپنا کرتہ اتار دیا۔ اور عکاشہ سے کہا "بسم اللہ کر اور
اپنا قصاص لے۔"

لوگ اپنے بیمار رسول کو اس حال میں دیکھکر چیخیں مارنے لگے۔ مگر کسی کی
اتنی ہمت نہ تھی کہ عکاشہ سے کچھ کہہ سکے۔ عکاشہ نے جس وقت ہاتھ میں
کوڑا لیا، تو حضرت علی سے جو سیدہ کے شوہر تھے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ روتے
ہوئے آگے بڑھے۔ اور کہا "عکاشہ رسولِ خدا بیمار ہیں۔ اس وقت قصاص
کے قابل نہیں۔ تو اپنا بدلہ مجھ سے لے۔ اور جس قدر کوڑے تیرا دل چاہے میرے
جسم پر مار۔ مگر اس وقت رسول اکرم کو اذیت نہ دے۔"

عکاشہ۔ "میں نے آپ کے ہاتھ سے کوڑا نہیں کھایا تھا۔ آپ سے کس طرح
قصاص لے سکتا ہوں؟"

حضرت علی۔ "میرے دونوں بچے حسنین موجود ہیں۔ تو ان کے کوڑے
مارے مگر اس وقت رسالت مآب کو تکلیف نہ دے۔"

رسول اللہ۔ "نہیں علی! تمہارے یا حسنین کے مارنے سے قصاص
نہیں ہو سکتا۔"

قصاص کا فقط بہانہ تھا۔ عکاشہ نے "مہر نبوت" چومی۔ اور عرض کیا۔

Marfat.com

"میں نے یہ فعل صرف اس لئے کیا ہے کہ دوزخ کی آگ مجھ پر حرام ہو جائے"

"صحیحین" میں ابن عباس سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلعم کی حالت زیادہ بگڑنے لگی، تو آپ نے فرمایا۔

"لاؤ کاغذ لاؤ۔ میں تم کو کچھ لکھوا دوں۔ تاکہ میرے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو جاؤ یا لڑو جھگڑو نہیں۔"

اس وقت خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق بھی موجود تھے۔ آپ نے کہا کہ "اس وقت سرورِ عالم کو تکلیف زیادہ ہے۔ اس لیئے ایسا فرما رہے ہیں۔ ہم کو وصیت کی ضرورت نہیں۔ "حسبنا کتاب اللہ" خدا کی کتاب ہمارے لیئے کافی ہے۔"

حاضرین میں سے بعض نے فاروق اعظم کے اس جواب کو پسند نہ کیا "اہلبیت" کا خیال تھا کہ رسالت مآب ہمارے واسطے کچھ لکھوا رہے ہیں۔ بہتر ہو گا کہ کاغذ لا کر لکھ لینا چاہیئے۔ بعض کا خیال تھا کہ فاروق اعظم کا کہنا درست ہے۔ سرورِ کائنات کو تکلیف ہے۔ ایسی حالت میں زیادہ تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ کتاب اللہ ہمارے واسطے بیشک کافی ہے۔ اس بحث مباحثہ میں غل غپاڑہ تک نوبت پہونچ گئی۔ یہاں تک کہ رسالت مآب نے فرمایا۔

"تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ"

مختصر یہ کہ مجمع درہم برہم ہو گیا۔ اور معاملہ طے نہ ہو سکا۔ لیکن ابن عباس نے جو رسول اکرم کے چچا تھے۔ حضرت علی سے فرمایا۔ "علی! مجھکو رسول اللہ کی حالت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ تم ابھی بچے ہو۔ میں اپنے خاندان کی بہت سی موتیں دیکھ چکا ہوں۔ بولتے بولتے دم نکلتا ہے۔ اور جو علامتیں آخر وقت کی ہوتی ہیں۔ وہ سب رسول اللہ میں پا رہا ہوں۔ میری رائے میں یہ مناسب ہو گا

کہ تم مسئلہ خلافت کو رسول اکرم ؐ سے طے کر لو کہ یہ منصب کس کو دیا جائے۔
تاکہ پھر کسی قسم کا جھگڑا باقی نہ رہے۔"

حضرت علیؓ نے بچشم تر یہ گفتگو حضرت عباسؓ کی سنی اور رو کر فرمایا کہ
"میں کس دل سے یہ سوال رسول اکرم ؐ سے کروں۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ میں
اُن سے یہ عرض کروں۔"

بیماری کی شدت زیادہ ہوئی تو سرورِ کائنات ؐ نے "ام المومنین" عائشہ رضہ
صدیقہ سے فرمایا کہ "تم اپنے باپ سے کہدو، کہ میں اب باہر آنے کے قابل
نہیں، تم امامت کرو۔ اور میری جگہ نماز پڑھایا کرو۔"

"ام المومنین" نے رسول ؐ اللہ کے جواب میں عرض کیا۔

"یا رسول اللہ ؐ! میرے باپ رقیق القلب آدمی ہیں۔ ان کو آپ سے جو
محبت ہے وہ ظاہر ہے وہ آپ کی جگہ خالی دیکھکر ضبط نہ کر سکیں گے۔ بے قرار
ہو جائیں گے۔ آپ اس کام کے واسطے کسی اور کو مقرر فرمائیے تو بہتر ہے۔"

رسالت مآب ؐ کے چہرۂ مبارک پر اس وقت شکن پڑ گئی۔ اور آپ نے
پھر وہی فرمایا جو پہلے فرمایا تھا۔ "ام المومنین" نے اپنے محترم باپ کی خدمت میں
یہ الفاظ رسالت مآب کے پہنچا دئے۔ اور ابوبکر صدیق نے اس ارشاد کی
تعمیل میں پانچ وقت نماز پڑھائی۔

اب سرورِ کائنات کی حالت میں کچھ افاقہ تھا۔ حضرت علیؓ کے سہارے
سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر باہر تشریف لائے، تو مسجد نبوی ؐ میں جماعت
ہو رہی تھی۔ اور حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے۔ سرورِ کائنات کی آہٹ پا کر
نمازیوں نے اپنے رسول کے آنے کی اطلاع اس طرح ابوبکر صدیق کو دی کہ
کھانسنے لگے۔ ابوبکر صدیق نے یہ معلوم کر کے کہ سرورِ کائنات تشریف لے آئے

Marfat.com

ہیں۔ نماز توڑنی چاہی اور اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹے۔ مگر رسول اکرمؐ نے ان کی
پشت پر ہاتھ رکھ کر اُن کو امامت پر کھڑا کر دیا۔ اور آپ سیدھی طرف کھڑے
ہو کر نماز میں شریک ہو گئے۔ مگر بخار چڑھا ہوا تھا۔ کمزوری بڑھ گئی تھی۔ کھڑے نہ رہ
سکے۔ بیٹھنا پڑا اور بیٹھے ہی بیٹھے نماز ادا کی۔

نماز کے بعد رسول اکرمؐ گھر میں تشریف لے گئے۔ اور یہ نماز خدا کے پاک
نبی کی آخری نماز تھی۔ اس کے بعد نہ باہر تشریف لا سکے۔ نہ نماز کے واسطے
کھڑے ہو سکے۔

وفات رسول اللہؐ

بخار کی شدت لحہ بہ لحہ تیز ہو رہی تھی۔ "ام المومنین" عائشہ صدیقہؓ کا
بیان ہے کہ ایسی شدت کا بخار میں نے کبھی اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ باوجود
جسم مبارک پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ مگر اس پر بھی ہاتھ رکھنے سے حرارت کی شدت
یہ تھی کہ ہاتھ جھلسا جاتا تھا۔ سرور کائناتؐ "ام المومنین" عائشہؓ کے حجرے میں
تھے۔ اور حضرت علیؓ اور سیدہؓ تیمارداری میں مصروف تھے۔ مگر اب وہ
وقت تھا کہ سرور کائناتؐ کی زبان مبارک سے سوا اللهم رفیق الاعلیٰ کے
اور کچھ نہ نکلتا تھا۔

رسالت مآبؐ کی اس کیفیت سے یوں تو اہل بیتؓ اور امہات المومنین
گیا، مسلمانوں کا بچہ بچہ رو رہا تھا۔ مگر بی بی فاطمہؓ کی حالت بہت ردی تھی۔ جب
انھوں نے یہ دیکھا کہ اب سرور عالمؐ کی زبان مبارک سے خدا کے سوا کچھ
نہیں نکلتا۔ اور زندگی سے مایوس ہو گئیں تو گو حضرت علیؓ جیسا شوہر اور حسنین
جیسے لال موجود تھے۔ مگر محمدؐ جیسا باپ ایسا باپ نہ تھا کہ فاطمہ جیسی بیٹی اس کی

Marfat.com

موت کا صدمہ سہار جاتی۔ آج ماں کی موت کا صدمہ بھی تازہ ہوا۔ وہ سرورِ کائناتؐ کے چہرہ کو غور سے دیکھتیں اور جب یہ دیکھتیں کہ باپ کی آنکھیں اب فاطمہ کو پہچاننے کے قابل نہیں تو کلیجہ پکڑ کر بیٹھ جاتیں۔ پھر اُٹھتیں حالت یاس میں اِدھر اُدھر پھرتیں۔ اور پھر چہرۂ اقدس پر نظر ڈالتیں۔ اور دیکھتیں کہ اب یہ پیاری صورت تھوڑی دیر کی مہمان ہے۔ اور میری آنکھ سے اس طرح اوجھل ہوگی کہ سر ٹکراؤں گی اور نہ پاؤں گی۔ ماں کا سایہ بچپن میں اُٹھا۔ لے دیکر جو کچھ تقویت یا سہارا اس وقت تھا وہ صرف باپ کا۔ ورنہ دُنیا جان کی دشمن تھی۔ وہ باپ جس کی دم بھر کی مفارقت خوشی سے گوارا نہ تھی۔ آج موت اُس کو جدا کرتی ہے۔ دفعتہً بی بی فاطمہ نے سرورِ کائنات کے پائے مُبارک سے اپنی آنکھیں ملیں۔ بوسہ دیا اور دونو ہاتھ پاؤں میں ڈال کر چمٹ گئیں۔

ملا حسن شیرازی اس جگہ لکھ رہا ہے کہ گو شدّتِ بخار سے سرورِ عالم کو سخت تکلیف تھی۔ مگر آپ نے آنکھ کھولی اور یہ دیکھکر کہ فاطمہ سخت بیچین ہے۔ آپ نے اشارے سے اپنے پاس بلایا، اور دستِ مُبارک بیٹی کے سر پر رکھکر آنکھیں بند کرلیں۔ اس وقت فرطِ شفقت سے سیدہ کی طبیعت اور بھی بگڑی۔ انھوں نے اس مُبارک ہاتھ کو پیار کیا اور اپنے منہ پر پھیرا۔ اور آنکھوں سے لگائے روتی رہیں۔

اب سکرات شروع ہوگئی اور وہ دماغ جس نے بڑی بڑی اُلجھی ہوئی گتھیاں چشم زدن میں سُلجھا دیں۔ دُنیا کے کاموں سے بے خبر ہوگیا "ام المومنین" عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ سکرات کی سختی اس قدر تھی کہ میں نے یہ سختی پہلے نہ دیکھی اس وقت بی بی فاطمہ چاروں طرف حسرت سے تکتی تھیں اور کوئی قوت ایسی نہ تھی۔ جو اُن کے باپ کی مقدس روح کو وصال خدا سے روک کر اُن کے پاس

Marfat.com

چھوڑ دیتی۔ پاک روح کے پرواز کا وقت قریب آتا جا رہا تھا۔ اور سیدہ کے چہرہ پر آثار یتیمی برسنے شروع ہو گئے تھے۔ حسنین اس وقت یہاں موجود نہ تھے۔ حضرت علیؓ کو بھیجکر سیدہ نے اپنے بچوں کو بلایا۔ اور کہا۔

"حسنین کہاں تھے۔ آج تمہارے نانا کی پاک روح دُنیا سے رخصت ہوتی ہے۔ اور فاطمہ کے سر سے باپ کا سایہ اُٹھتا ہے۔ حسنین نانا کی صورت اب نظر آنے والی نہیں۔ یہ وقت وداع ہے۔ میں اپنے مقدس باپ کو اس طرح دُنیا سے رخصت کر رہی ہوں کہ رسول خدا کے گھر میں جلانے کا تیل بھی نہیں حسنین میری میزبانی میں شریک ہو اور میرے باپ کو دنیا سے رخصت کرو۔"

حضرت علی نہایت ضبط سے کام لے رہے تھے۔ اور گو دل کی حالت بہت خراب تھی۔ باپ سمجھو۔ خسر سمجھو۔ سر پرست کہو۔ ولی کہو۔ محسن تھے۔ رسول تھے۔ اور جو کچھ بھی رسول اللہؐ اور صرف رسول اللہؐ۔ بچوں کی طرح رکھا۔ بیٹوں کی طرح پالا۔ مگر مرد تھے۔ ضابطہ بھاری بھرکم۔ دل پر جو گذر رہی تھی سہار رہے تھے۔ لیکن اس وقت سیدہ کی اس تقریر سے دل بھر آیا۔ بچوں کو رسول اللہؐ کے قدموں پر گرا دیا۔ اور بی بی سے کہا۔

"فاطمہ! حسنین تیرے باپ کے غلام ہیں"

اس وقت حضور اکرمؐ کی حالت اس قابل نہ تھی کہ وہ جن بچوں کی ادنیٰ تکلیف پر بھی متاثر ہو جاتے تھے اُن کی اس کیفیت کو سمجھ سکتے۔ یہ اختلاف روایات ربیع الاول کی بارہ تاریخ اور ہجرت کا گیارھواں سال تھا کہ اس حالت میں حضور اکرمؐ نے دُنیائے ناپائیدار سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔

انتقال کے وقت سرور عالم کا سر مبارک ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی گود میں تھا۔ اور حضرت عائشہؓ اس پر فخر کرتی تھیں۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

Marfat.com

"وصال کے وقت سر مبارک میرے زانو پر تھا۔ جس رات وصال ہوا میرے ہاں رہنے کی رات تھی۔ میرے حجرے میں آپ مدفون ہوئے۔"

اہل تشیعہ کہتے ہیں کہ "انتقال کے وقت رسول اکرم کا سر مبارک حضرت علی کی گود میں تھا۔ اور سیدہ برابر بیٹھی تھیں۔ چنانچہ حضرت علی کے الفاظ یہ ہیں:-

جب روح نے عالم بالا کو پرواز کیا، تو آپ کا سر میری گود میں تھا۔ فاطمہ میرے برابر تھی۔ اور میں نے سانس نکلتے وقت ٹھوڑی کو سہارا دے کر منہ بند کر دیا۔"

جب ابوبکر صدیق نے سرورِ کائنات کی خبر وفات سُنی تو آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا۔

"اے لوگو آج پیغمبر خدا کا انتقال ہوا۔ سنو اگر تم صرف محمد کی عبادت کرتے تھے تو وہ اب ہم میں نہیں ہیں۔ انتقال کر گئے۔ اور اگر خدا کی عبادت کرتے تھے تو وہ زندہ ہے۔ اور زندہ رہے گا۔" خلیفہ دوم حضرت عمر خبر موت سُنکر تلوار ہاتھ میں لے باہر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ "اگر کسی شخص کی زبان سے بھی یہ نکلا کہ رسول اللہ انتقال کر گئے تو اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ وہ زندہ ہیں، خدا کے ہاں گئے ہیں اور پلٹ کر آجائیں گے۔" حضرت صدیق اکبر نے اس موقع پر حضرت عمر کو سمجھایا اور کہا "یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ اس کی شہرت نہ دو۔ موت ہر ذی روح کو ایک دفعہ آتی ہے۔ اور پھر دنیا میں دوبارہ زندہ نہیں ہوتا۔ رسول اللہ اب دُنیا سے تشریف لے گئے۔ اور ان کے واپس تشریف لانے کی کوئی اُمید نہیں" ارشاد نبوی کے موافق "اہلبیت" رسول اللہ کی تجہیز و تدفین میں مصروف ہوئے۔ مسلمانوں میں اس خبر نے تہلکہ مچا دیا، لوگ جوق جوق جمع ہوتے تھے۔

Marfat.com

اور اپنے رسول کے چہرۂ اقدس کی زیارت سے مشرف ہو کر جاتے تھے۔ جناب سیدہ کی آنکھوں میں اس وقت دنیا اندھیر تھی۔

کہا جاتا ہے کہ روئے زمین پر چار آدمیوں کی گریہ وزاری مشہور ہے۔ سب سے پہلے حضرت آدمؑ جب جنت سے علیحدہ ہوئے۔ تو اس قدر روئے کہ تمام بدن کی ہڈیاں نکل آئیں۔ اور ان کے بعد حضرت یعقوبؑ جس وقت حضرت یوسف ان سے جدا ہوئے بیٹے کی مفارقت میں اس قدر روئے کہ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ تیسرے سیدۃ النساء اپنے محترم باپ رسول اکرمؐ کی مفارقت میں اس قدر روئیں کہ چھ مہینے کے اندر ہی اندر اس صدمہ میں خدا کے ہاں جا پہنچیں چوتھے امام زین العابدینؑ سید الشہداءؓ کے بعد۔

سچ یہ ہے بی بی فاطمہ جس قدر بھی روئیں اور جو کچھ بھی ان پر صدمہ ہوتا کم تھا۔ ماں کو تو آنکھ کھول کر دیکھا ہی نہیں، اگر دیکھا بھی تھا تو وہ دیکھنا نہ دیکھنے کے برابر ہے۔ ماں تھے تو، اور باپ تھے تو، حضور اکرمؐ اور پھر رسول اللہ جیسے باپ کہ دم بھر کو بیٹی جدا ہو جائے تو بےچین ہو جائیں۔ اور بیٹی کیا بیٹی کے بیٹے، حسنین نماز میں کندھوں پر چڑھیں تو سجدے سے سر نہ اٹھائیں، خدا کا رسول اور فاطمہ کے بچوں کا گھوڑا! اللہ اللہ اس سے زیادہ الفت و محبت کیا ہو گی۔

رسول اللہ صلعم کی تدفین

ناظر اگر تھوڑی دیر کے واسطے چشم تامل سے اس واقعہ پر غور کرے کہ دونوں جہاں کا سردار، خدا کا پاک رسول جس نے ایک عرب ہی نہیں روئے زمین پر اپنی رسالت اور خدا کی وحدانیت کا ڈنکا بجا دیا۔ آج دنیا سے رخصت ہو گیا۔ تو ایک عجیب منظر آنکھ کے سامنے آ جاتا ہے۔ جس منہ سے ہمیشہ پھول جھڑتے تھے

Marfat.com

ہمیشہ کو خاموش ہو گیا۔ جو ذات پاک بیکسوں کا وارث، یتیموں کا ملجا اور اپاہجوں کا ماوا تھا۔ ہمیشہ کو جدا ہو گئی۔ رسول اللہ کا جسد خاکی "ام المومنین" عائشہ صدیقہ کے حجرے میں ایک چٹائی پر رکھا ہوا ہے۔ اور سیدہ جیسی بیٹی باپ کے سرہانے بیٹھی محترم باپ کو یاد کر رہی ہے۔ اپنی بیکسی کا خیال، باپ کے فراق کا صدمہ، معصوم بچوں کے سر سے نانا جیسے شفیق بزرگ کے سایہ کا اٹھنا، اور سب سے زیادہ یہ خیال کہ جس سے دنیا اور دین دونوں کی توقعات تھیں۔ آج اس کا پاک جسم بے جان آنکھوں کے سامنے پڑا ہے۔ اس واقعہ کی پوری تصویر اور اس درد انگیز حالت کا اصلی بیان بہت مشکل سے ادا ہو سکتا ہے۔ میت کو گود میں لئے اور باپ کے سر مبارک کو چھاتی سے لگائے ساڑھے تیرہ گھنٹے کی رات غریب فاطمہ کی آنکھوں میں کٹ گئی۔ دوسرے روز نو بجے کے بعد غسل شروع ہوا۔ کیا وقت ہو گا اور کیا دل کہہ رہا ہو گا۔ اس بیٹی کا جس نے لمحہ بھر کو باپ کی مفارقت خوشی سے گوارا نہ کی۔ یہ دیکھکر کہ باپ کی شفقت و محبت کی یادگار جسد خاکی جو اس وقت سامنے ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ بھی اوجھل ہوتا ہے! غسل میں تمام "اہلبیت" شریک تھے۔ سیدہ نے پانی کی بدھنیاں بھر بھر کر جسم اطہر پر ڈالیں جس شخص کا کلمہ آج سات کروڑ ہندوستان میں اور تیس کروڑ مسلمان روئے زمین پر پڑھ رہے ہیں۔ جس کی نسبت ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ناپاک چیز ان الفاظ سے پاک ہوتی ہے، جو نام دنیا اور دین دونوں کی نجات کا باعث ہے آج اسی کے غسل آخر پر اسی کا نام پڑھا جا رہا ہے۔ اور فاطمہ باپ کے اوپر پانی ڈال ڈال کر باآواز بلند کہہ رہی ہیں۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مسلمانوں نے سرور کائنات کی تصدیق ان کی عبادت میں ان الفاظ سے کی،

اور بعد وفات یہ آخری تصدیق جسد خاکی پر" اہل بیت" کی زبانی ہوئی۔ دو بجے کے قریب غسل سے فرصت ہوگئی تو کفن کا وقت آیا۔ یہ آٹھ آنے گز کا لٹھا اور دس آنے گز کی تنزیب نہ تھی۔ اور ہوتی کہاں سے سردار دوجہاں کے گھر میں رکھا ہی کیا تھا۔ جلانے کا تیل تو میسر تھا ہی نہیں۔ معمولی موٹے جھوٹے کفن میں اس پاک جسم کو جو مسلمانوں کی جان اور ایمان تھا۔ کفنا دیا۔

اب وہ وقت قریب آرہا تھا کہ یہ پاک جسم بیٹی کی آنکھوں سے سدا کو چھپ جائے۔ دفن میں تھوڑا سا اختلاف ہوا تھا مگر بالآخر یہ گفتگو شروع ہوئی اور اسی پر فیصلہ ہوا کہ رسول خدا کو اسی جگہ دفن ہونا چاہیئے۔ جہاں روح نے عالم بالا کو پرواز کیا ہے۔

کیسا قیامت خیز سماں ہے جو لوگ پروانوں کی طرح ہمیشہ اس شمع پر نثار رہے جس بچہ کی زبان سے اس حالت میں کہ تمام دنیا دشمنی اور قتل پر کمر بستہ تھی۔ یہ الفاظ نکلے تھے کہ "رسول اللہ میرے ماں باپ فدا۔ میں آپ کے ساتھ ہوں"۔ جس بیٹی کی زبان سے ہمیشہ یہ نکلا "یا رسول اللہ بھوک کی شدت میں آپ کے جمال جہاں آرا سے تمام تکلیف رفع ہو جاتی ہے"۔ آج وہی رسول اکرم کے واسطے قبر کھود رہے ہیں کہ اس جسد خاکی کو پیوند زمین کر دیں۔

قبر تیار ہوگئی، اور وہ وقت بھی آگیا کہ فقط اس ذات پاک کا نام اور اس کے کام باقی رہ جائیں۔ نماز جنازہ ادا ہوئی۔ اور وہ جان فدا کرنے والے جو اس صورت کے عاشق زار تھے میت کی نماز پڑھنے لگے۔ اور سیدہ نے جس دل سے با چشم گریاں رسول اللہ کو سپرد خاک کیا۔ اس کی کیفیت کا اظہار کم از کم ہمارے قلم سے ناممکن ہے۔

تدفین کے بعد خلافت کی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ رسول اکرم نے اس کے

Marfat.com

متعلق کوئی فیصلہ نہ فرمایا تھا۔ اس لئے خلافت میں مسلمانوں نے اختلاف کیا اور مختلف گروہ مختلف خیال ظاہر کرنے لگے۔ یہ بحث ہمارے مضمون سے متعلق نہیں ہے۔ ہم اس کو نظر انداز کرتے ہیں۔ مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ باوجود اس علم وحلم کے جو حضرت علی کا مخصوص حصہ تھا، باوجود اس فضیلت کے جس کا اعتراف رسول اکرم نے بارہا فرمایا۔ باوجود اس شجاعت وجرأت کے جو کفار کے مقابلہ میں اُن سے ہمیشہ ظاہر ہوئی باوجود اُن خدمات و ایثار کے جو انھوں نے اسلام کے لئے کیں، باوجود اس اعزاز کے کہ بچوں میں سب سے پہلے مسلمان تھے۔ صرف اس وجہ سے کہ سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے شوہر تھے باوجود کمسنی اور ناتجربہ کاری کے انتخاب خلافت میں ان کا نام پیش کیا گیا اور ایک گروہ نے علی الاعلان یہ کہہ دیا کہ "حضرت علی کا حق شوہر سیدہ ہونے کے سبب کسی سے کم نہیں ہے۔" اس بحث کو مختلف لوگوں نے طرح طرح سے طے کرنے کی کوشش کی۔ مگر **الزہرا** کو اس سے کوئی خاص واسطہ نہیں ہے۔ بہر حال حضرت ابوبکر صدیق کا انتخاب ہوا۔ اور وہ خلیفہ اول مقرر کیے گئے۔

فراقِ پدری

سیدہ کی حالت روز بروز ابتر ہو رہی تھی۔ اور کوئی لمحہ ایسا نہ جاتا تھا کہ وہ فراقِ پدری میں بےچین نہ رہتی ہوں۔ خلیفہ اول اور حضرت علی ان کی دلجوئی میں کسر نہ کرتے۔ مگر وہ کسی وقت اس صدمہ کو نہ بھولتیں۔

کس کا گھر، اور کہاں کا شوہر، کیسے بچے۔ اور کدھر کی زندگی۔ ان کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی۔ رات دن مزار مبارک پر بیٹھی آنسو بہاتیں۔ اور جب نیند کا

Marfat.com

غلبہ ہوتا تو وہیں باپ کی پائینتی پڑ رہتیں۔حسنین روٹی لیجاتے تو وہیں تھوڑا بہت کھالیتیں۔حضرت علی تشریف لیجاتے۔تسکین دیتے تو ان کے ساتھ گھر آجاتیں۔ مگر جب دل میں ہوک اٹھتی اور رسول کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی۔ تو بیتاب ہوکر دیوانہ وار مزار مبارک پر گر پڑتیں روتیں اور کہتیں

"آج میرا باپ مجھ سے جدا ہوگیا۔ وہ شمع جس نے عرب کے جنگل روشن کردیے گُل ہوگئی۔

اب دنیا کی مصیبتیں میرے سامنے ہیں اور بیں بن ماں کی بچی فاطمہ اس وقت باپ کے فراق میں رو رہی ہوں۔

قیامت خیز تھی وہ رات جس نے میرے سر پر مصیبت کا پہاڑ ڈھا دیا۔ میری زندگی بری ہے۔ جو اس صدمہ سے بھی ختم نہ ہوئی۔

میرے باپ کی روح پرواز کرگئی۔ مگر جسم اطہر اس خاک کے اندر زندہ ہے۔ اور میری حالت دیکھ رہا ہے۔

اے خدا کے سچے رسول! میری دعا پر آمین کہہ۔ الہ العالمین مصیبت زدہ بیٹی کو اس کے باپ سے ملادے۔ اور اس کی آنکھیں روشن کر۔"

مزار مقدس کی خاک پاک سیدہ کا اوڑھنا اور بچھونا تھا۔ آدھی آدھی رات اسی طرح بسر ہوجاتی، اور ان کا دل نہ سنبھلتا۔ کبھی حسن کو دیکھ کر رو دیتیں۔ اور کبھی حسین کو گود میں لے کر بلبلاتیں اور کہتیں۔

"حسنین تمہارے نانا خدا کے سچے رسول، مجھ کو چھوڑ گئے۔ وہ یہاں زندہ ہیں۔ مگر حسنین تمہاری ماں مرگئی اور مدینہ اجڑ گیا۔"

ملا حسن شیرازی لکھ رہا ہے کہ ایک رات اسی طرح ماہی بے آب کی طرح فراق پدری میں تڑپتے تڑپتے مزار مبارک سے لپٹے ہوئے سیدہ کو نیند آگئی

Marfat.com

تو کیا دیکھتی ہیں کہ رسول اکرمؐ تشریف لائے۔ اپنے دست مبارک سے بچھڑی ہوئی بچی کے چہرے سے خاک پونچھی۔ پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور رو کر فرمایا۔

"میری جان! میں خود تجھ سے ملنے کا منتظر ہوں۔ فاطمہ جنت تیرا انتظار کر رہی ہے۔ خوش ہو جا کہ جلد مجھ سے ملے گی۔ خدا سے دعا کر کہ وہ تیری تکلیفوں کا خاتمہ کر دے۔"

سرور کائنات کا چہرۂ اقدس نظر آنا تھا کہ سیدہ فرط محبت سے بیتاب ہو کر اُٹھ بیٹھیں اور چاروں طرف دیکھنے لگیں کہ شاید حضور اکرم نظر آجائیں۔ اس وقت دل کی حالت بہت خراب تھی۔ کلیجہ نکلا پڑ رہا تھا۔ اور جس صورت کے فراق نے خاک میں ملا دیا تھا۔ کہیں نظر نہ آتی تھی۔ کلیجہ مسوس کر رہ گئیں۔ مٹی کے ڈھیر کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی طرف جھکیں اور لپٹ گئیں۔ آنسوؤں کا دریا آنکھ سے بہہ رہا تھا۔ دنیا عالم خواب میں تھی اور رسول زادی اپنے باپ کی یاد میں مزار اقدس پر آنسو کے قطرے گرا رہی تھی اُٹھ کر وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد دُعا کی کہ "الہ العالمین تیرے رسول کا فراق تیرے لئے نعمت اور میرے لئے مصیبت ہے۔ فاطمہ تیری کنیز تیری درگاہ سے مایوس نہیں ہوئی۔ تو میرے دل کی کیفیت دیکھ رہا ہے۔ میں بیتاب ہوں اور اس صدمہ نے میری جان پر بنا دی ہے۔ رحم کر اور اے دونوں جہاں کے بادشاہ مجھکو میرے باپ سے ملا دے۔"

رسالت مآبؐ کی رحلت پر ابو سفیان نے جو مرثیہ لکھا ہے۔ اس میں وہ اپنے حزن وملال اور اس فراق کی حالت کو لکھتے ہوئے سیدہ کے رنج کو ان الفاظ میں ادا کر رہے ہیں۔ "فاطمہ جس قدر غمگین ہوں کم ہے۔ مگر وہ خوش ہو سکتی ہیں کہ ان کے باپ دُنیا کے رہنما تھے۔"

Marfat.com

منافقوں کی شرارت

ہم اس تکلیف کا ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتے۔ جو بی بی فاطمہ کو سرورِ عالم کی رحلت سے پہنچی۔ رنج اور خوشی انسانی زندگی کے لوازم ہیں۔ مگر خوش ہونا تو درکنار اُن کے چہرے پر باپ کے بعد کبھی مسکراہٹ تک نہ آئی۔ بیٹے بیٹیاں۔ شوہر۔ گھر۔ سب ہی سامان موجود تھے۔ اور انسان کا دل بہلانے کو بھی سامان ہوا کرتے ہیں۔ مگر اُن کی حالت رسول اکرم کی رحلت سے اپنی رحلت تک روز بروز اور لحظہ بہ لحظہ بگڑتی گئی۔ روٹی پکا رہی ہیں۔ پکاتے پکاتے دفعتہً سرورِ عالم کا خیال آگیا۔ اور آنسو نکل پڑے۔ بچوں کے کپڑے سی رہی ہیں۔ اور سیتے سیتے جہاں اس پاک ذات کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھری۔ ایک ٹھنڈا سانس بھر کر ساکت ہو گئیں۔ حسنین بچے تھے، حضرت علی نے سمجھانے میں، تسکین دینے میں، دلدہی میں، کسی طرح کمی نہ کی، مگر وہ پھانس جو چبھ چکی تھی، نہ نکلی۔ اور جو زخم اندر ہی اندر بڑھ رہا تھا کسی طرح نہ پھوٹا۔

ہر زمانہ اور ہر قوم میں ایسے اشخاص کا وجود ہوتا ہے۔ جن کا نصب العین محض دو آدمیوں کو بھڑا کر سیر دیکھنا ہو، عرب میں ایسی کیا خصوصیت تھی کہ وہ ان افراد کی ہستی سے محروم رہتا، ان لوگوں نے اپنی کارستانی تو رسول اللہ کی زندگی ہی میں شروع کر دی تھی۔ اور یہاں تک غضب ڈھا دیا تھا کہ رسول اللہ حالت نزع میں ہیں اور یہ حضرت علی سے کہہ رہے ہیں کہ "دیکھو! خلافت کے قصے کو طے کر لو، ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے۔" مگر وہ تو حضرت علی کی دانشمندی تھی کہ[1]

[1] نعوذ باللہ حضرت عباس سے مراد نہیں ہے۔ حضرت عباس نے تو اچھی نیت سے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ لیکن ان کے علاوہ بھی کچھ لوگ تھے۔ جو محض لڑانے کے لئے یہ تحریک کر رہے تھے۔

Marfat.com

اور عشق رسول تھا۔ جس نے ان کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ جب وہ موقعہ ہاتھ سے نکل گیا۔ تو ظالم اب پھر تاک میں رہے کہ کسی طرح کوئی نہ کوئی جھگڑا کھڑا کر دیں۔ وہی لوگ ہیں جو بظاہر مسلمان تھے اور دل مشرکوں سے بدتر۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو سیدہ جیسی معصوم و صابر وشاکر بی بی کو بھڑکانا اور تکلیف پہنچا کر تماشہ دیکھنا ایک ایسا فعل ہے کہ جس سے زیادہ ظلم، جس سے بڑھ کر سنگدلی۔ جس سے بدتر وحشیانہ حرکت کا امکان نہیں، جو بی بی خود ہی مر رہی ہو۔ جس کو خود دُنیا سے نفرت ہو۔ جو ہر وقت دُنیا سے چلنے کے واسطے تیار۔ اور باپ کے ہجر میں اس قدر بیقرار ہو، کہ ساری ساری رات قبر پر پڑی روتی رہے۔ اس کا تماشہ دیکھنا۔ ان ظالموں سے کم نہیں ہے۔ جنھوں نے "سیدہ کے لال" کو میدانِ کربلا میں تڑپتے دیکھا۔ جنھوں نے "اہلبیت رسول" کو۔ زینب و صغریٰ کو بے چادر یزید کے دربار میں دیکھا۔

وہ بی بی جو اس حالت میں نہیں۔ اس سے پہلے اس وقت جب باپ زندہ۔ شوہر موجود۔ بچے موجود۔ اس درجہ ایثار کرے کہ متواتر فاقے ہوں۔ وہ دو دو تین تین وقت اُڑ کر ایک دانہ منہ میں نہ جائے۔ اور بے زبان بچوں کو کلیجہ سے لپٹا کر یادِ الٰہی میں صبح کر دے۔ اور پھر جو کچھ میسر آجائے وہ بھی سائل سے عزیز نہ رکھے۔ پانچ وقت کے بعد کی پکائی روٹی، اور تیار ہوا کھانا، اِن معصوم آنکھوں کے سامنے سے اُٹھا کر خدا کی راہ میں دے۔ اس سے یہ توقع رکھنی کہ وہ دنیا کی فانی جائیداد اور املاک پر نظر ڈالے۔ "نعوذ باللہ من شرور انفسنا" فدک کی ابتدا انہی کم بختوں سے ہوئی۔ جنھوں نے بھولی بھالی سیدانی اور سیدھی سادی "بنت الرسول" کو بہکا کر فدک کے دعوے پر آمادہ کر دیا۔ اور امیر علیہ السلام کو بھی باڑ پر چڑھا لیا۔

Marfat.com

فدک

اس سے پہلے کہ ہم فدک کی بحث شروع کریں۔ یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ بعض علمار اہل تسنن ہبہ فدک کے دعوے کو تسلیم کرنے میں متامل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سیدہ نے ہبہ فدک کا دعویٰ دائر نہیں کیا۔ لیکن میراث فدک کا دعویٰ حضرت سیدہ کی طرف سے "خلیفہ اول" کے سامنے دائر ہوا۔ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں اس دعوے سے ہرگز ہرگز حضرت سیدہ کی شان میں فرق نہیں آتا۔ فدک کے دعوے میں حضرت سیدہ کی کسی ذاتی خواہش کو دخل نہ تھا۔ نہ انکی حالت اس قابل تھی کہ دخل ہو سکتا۔ وہ دنیا اور کائنات دنیا سے متنفر ہو گئی تھیں۔ ان کو اگر زندگی میں کوئی کام تھا تو صرف وصال پدر باقی ہر چیز ہیچ اور بے سود۔ دعوے فدک دائر ہوا اور یہ ان ہی مفسدوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا جو رسول اللہ کی حالت مرض ہی سے اس فکر میں تھے۔ اور اب اس صورت میں ظاہر ہوا۔

فدک درحقیقت ایک موضع ہے۔ جو خیبر سے ایک منزل اور مدینہ سے دو ڈھائی روز کا رستہ ہے۔ جس میں کچھ کھجور کے درخت اور چشمے تھے۔ جو خدا نے اپنے پیغمبر پر "فے"[1] کیا تھا۔ ہجرت کے ساتویں سال یہ گاؤں سرورکائنات کے پاس آیا۔ جب خیبر فتح ہو چکا اور مسلمان قابض ہو گئے تو باشندگان فدک کو جو یہودی تھے اندیشہ ہوا کہ اگر مسلمانوں نے فدک پر حملہ کیا تو فتح ضرور کریں گے لیکن خواہ مخواہ خونریزی ہو گی۔ اور جانیں ضائع ہوں گی۔ بہتر یہ ہو گا کہ ہم خود ہی

[1] فے کے معنی اس مال کے ہیں جو بغیر کسی لڑائی بھڑائی کے خدا مسلمانوں کے مخالفین سے دلا دے چنانچہ فدک بھی فے تھا جو رسول اکرمؐ کو ملا۔

Marfat.com

مسلمانوں سے اس کے متعلق گفتگو کریں۔ چنانچہ انھوں نے اپنا پیغام سرورِ عالم کی خدمت میں بھیجا۔ ان کا سردار یوشع بن نفرن تھا۔ جس کی طرف سے قاصد نے بار بار کہا کہ "آپ نصف فدک منظور فرمائیے۔ اور ہم سے تعرض نہ کیجئے۔" چنانچہ آپ نے یہ درخواست منظور فرمائی، وہ لوگ بدستور رہنے لگے۔ سال کے ختم پر سرورِ عالم اپنے آدمی بھیجدیتے تھے۔ اور جو کچھ غلہ یہاں سے ملتا تھا وہ اپنے اہل وعیال کے واسطے رکھ کر باقی مسافروں کے واسطے دے دیتے تھے جو ان کی مہمان نوازی میں صرف ہوتا تھا۔

چونکہ رسول اللہ نے فدک کو اپنے واسطے مخصوص کر دیا تھا۔ اور اپنے اہل وعیال کے واسطے اناج رکھ کر جو بچتا تھا۔ وہ ان مسافروں پر صرف فرمادیتے تھے۔ جو اسلام کے سلسلہ میں آتے تھے۔ اس لئے لوگوں نے حضرت سیدہ سے یہ کہا کہ "فدک رسول اللہ کی ذاتی ملکیت ہے۔ اور اس کی جائز وارث آپ ہیں۔ آپ کی موجودگی میں کوئی دوسرا وارث نہیں ہو سکتا۔"

"خلیفہ اول" نے سیدہ سے کہا کہ "بنت رسول اللہ! آپ کا دعویٰ میراث حق بجانب نہیں ہے۔ کیونکہ انبیاء کا ورثہ نہیں ہوتا۔ آپ کو خود رسول اکرمؐ کے الفاظ یاد ہوں گے اور آپ نے صریح الفاظ میں فرمادیا ہے

"لا یورث نحن الانبیاء"

رسول اللہ کی پاک زندگی کی حالت جاننے والے اچھی طرح واقف ہیں کہ آپ کا کوئی قول کوئی فعل ایسا نہ تھا جو مسلمانوں سے پوشیدہ ہو۔ یہ تو وہ وقت تھا کہ اگر ذرا کسی کی طبیعت کے خلاف آپ کی زبان مبارک سے کوئی لفظ نکلا یا شبہ کی گنجائش ہوئی تو فوراً اڑگیا۔ اور جب تک تشفی نہ ہوئی آگے نہ بڑھا۔ جب عام مسلمانوں کی یہ کیفیت تھی تو سیدہ جو جگر گوشہ رسول تھیں۔ کس طرح رسول اللہ کے

ارشاد سے غافل ہوتیں یا لاعلم ہوتیں۔ مگر خدا سمجھے ان مفسدوں اور سب سے زیادہ جعفر ابن نضیر سے جنھوں نے معاملہ کو یہاں تک پہنچا دیا۔ "خلیفہ اول" کا یہ ارشاد سیدہ کے واسطے بہت کافی تھا۔ باپ کا نام سنتے ہی ان کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ خاموش ہو گئیں۔

تصفیہ فدک جو بیج صدیوں سے پرورش پاتے پاتے آج اتنا گھنا درخت بن گیا ہے کہ اس کے کانٹے رستہ چلتوں کے کپڑے پھاڑ رہے ہیں۔ اس کا اُکھاڑنا تو درکنار اکھاڑنے کی کوشش اور خیال ہی ایک غلطی ہے۔ لیکن اہل تشیع کے عقائد میں بعض باتیں ایسی بھی معلوم ہوتی ہیں، جو اگر سچ سمجھ لی جائیں تو از کم سیدۃ النساء کی اس شان کی جو ہمارے ذہن میں اس پاک بی بی کی ہے۔ ضرور منافی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سیدۃ النساء کو "خلیفہ اول" سے پہلے تو ان کی خلافت ہی سے رنج پہنچا تھا۔ کیونکہ یہ امیر علیہ السلام کا حق تھا اس کے بعد دعوئے فدک کے خارج ہونے کا اتنا صدمہ ہوا کہ علی الاعلان انھوں نے خلیفہ اول کو بُرا بھلا کہا۔ حضرت عمر سے ہشت مشت ہوئی۔ امیر علیہ السلام تمام رات اُن کو لئے ہوئے "انصار" اور "مہاجرین" کے پاس در در پھرتے رہے اور سب نے یہی جواب دیا کہ اب تو ہم مجبور ہیں۔ بیعت کر چکے۔ اگر آپ پہلے سے فرماتے، تو ہم ان کے ہاتھ پر بیعت ہی نہ کرتے۔

ان کی بعض کتابوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پہلے دعوئے ہبہ کیا تھا۔ جس پر "خلیفہ اول" نے شہادت طلب کی۔ چنانچہ حضرت علی، اُم ایمن، اور حسنین علیہم السلام کو انھوں نے پیش کیا۔ لیکن "خلیفہ اول" نے حضرت علی کی شہادت اس لئے کہ وہ سیدہ کے شوہر ہیں، نامنظور کر دی۔ اور یہ کہہ کر شہادت کا نصاب پورا نہیں ہوتا دعوئے خارج کر دیا۔

Marfat.com

یہ کچھ انسان کی سرشت ہی معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی شخص نے کوئی نمایاں
کام شروع کیا یا وہ ممتاز ہوا تو اس کی کوئی ادا دوسروں کو نہیں بھاتی پہلے اس کے
کاموں میں نکتہ چینی ہوتی ہے۔ اس سے کام بن گیا۔ اور وہ ٹھنڈا ہوگیا۔ تو فبہا،
ورنہ کھلم کھلا مخالفت کی، اور اگر زندگی میں کچھ حاصل نہ ہوا تو کم از کم مرنے کے بعد
اپنی ایسی یادگار چھوڑ دی کہ دُنیا آسانی سے کھرے اور کھوٹے میں تمیز کر لے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لیجئے۔ یہودی کیا کہتے ہیں۔ خود ان کی بابت انکی
مقدس اور بزرگ ماں مریم کی بابت، ان کی حوارئین کی بابت، عیسائی ہیں وہ
رسول اکرم کی بابت کیا کچھ نہیں کہتے، ان کی تعلیم و تلقین کے متعلق ان کی زندگی
کے متعلق ان کے "اعیان و انصار" کے متعلق مسلمانوں ہی کے اس گروہ کو لے لو۔
جو "خوارج" و "نواصب" کے نام سے مشہور ہے کہ "اہلبیت" کی نسبت کیا عقیدہ
رکھتا ہے۔ ان پر تبرا عین نجات، اور بُرا کہنا مغفرت قطعی، علامہ شبلی مرحوم اپنے
سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ ایک موقعہ پر ایک عورت بھرا ہوا طباق میرے سامنے
لائی کہ "یزید علیہ السلام کی نیاز دیدو" ابن ملجم شقی کو جو امیر علیہ السلام کا
قاتل تھا، قابل ستائش سمجھتے ہیں۔ اس کی شان میں قصیدے کہے گئے۔ جو
اب تک موجود ہیں، اس زمانہ کو چھوڑ کر موجودہ زمانہ پر نظر ڈالو۔ تو اب بھی یہ کلیہ
حرف بحرف واقعیت کی میزان میں پورا اُترے گا۔ مولانا عبد القادر۔ مولانا شاہ
عبد العزیز۔ سرسید کون تھا۔ جو ہدف ملامت نہ بنا ہو۔ لیکن سیدہ
صلوۃ علیہا کے مقابلہ میں ان کے خیر خواہ نادان دوست سے زیادہ وقعت
نہیں رکھتے۔ اپنی لغو عقیدتمندی سے ان کی ارفع و اعلیٰ شان کو کم کر دیا۔ اور
مابہ الامتیاز حسنات کو خاک میں ملا کر ہمارے ہی جیسا انسان بنا دیا۔

قضیہ فدک پر ایک نظر سب سے پہلی بات خلافت کے متعلق ہے

Marfat.com

کہ سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کو "خلیفہ اول" کی خلافت سے رنج پہنچا۔ اس لئے کہ انھوں نے خلیفہ ہو کر امیر علیہ السلام کی خلافت کو غصب کیا۔

یہاں دو باتیں پیدا ہوتی ہیں، اول یہ کہ "خلیفہ اول" نے خلافت کو قابل غصب سمجھا۔ دوسرے سیدۃ النساء اس مزاج کی بی بی تھیں کہ اس کے نہ ملنے سے انھوں نے رنج محسوس کیا۔

ہم جہاں تک اس معاملہ پر غور کرتے ہیں ہم کو دونوں باتیں غلط معلوم ہوتی ہیں۔ اس زمانہ کی "خلافت" بادشاہی نہ تھی، ایک مصیبت تھی جو تمام ممکن ذمہ داریوں کا بوجھ "خلیفہ وقت" کی گردن پر رکھ دیتی تھی۔ "خلیفہ اول" کے امکان میں جہاں تک تھا انھوں نے اس سے گریز کرنا چاہا۔ خود وہی لوگ جو معترض ہیں اس انکار کے معترف ہیں۔

رہی دوسری بات کہ سیدہ ناخوش ہوئیں افسوس اس سے بھی ہم کو اتفاق نہیں۔ صاحب عینی لکھ رہا ہے کہ جوں ہی امیر علیہ السلام کو "خلیفہ اول" کی خلافت اور بیعت کی خبر ہوئی۔ حضرت علی نے فوراً بیعت کر لی"۔ اگر ہم اس کو بھی نہ مانیں تو وہ خلافت ایسی نعمت نہ تھی کہ امیر و سیدہ اس کے واسطے تڑپتے رہتے ہم اس کو اگر تسلیم کر لیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ابوبکر صدیق یعنی وہ شخص جس کے احسانات سے باپ کی گردن دبی رہی، جس کی خدمات کا باپ نے عمر بھر اعتراف کیا۔ باپ کی آنکھ بند ہوتے ہی ناپائیدار دنیا کی عارضی خوشی کے واسطے بیٹی اس سے ایسی فرنٹ ہو گئی کہ دو بدو معمولی آدمیوں کی طرح لڑنے لگی۔

اس سلسلہ میں چار آدمی منسلک ہیں، "شیخین" امیر علیہ السلام اور سیدۃ النسا، ان چاروں کے حالات پر ایک سرسری نظر ڈال کر ہم ثابت

کا پتہ لگاتے ہیں کہ یہ خیال کس حد تک درست ہے۔

ان الفاظ کے علاوہ جو سرور عالم نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی بابت فرمائے ان کے خطابات "صدیق" و "فاروق" کو چھوڑ کر ہم دیکھتے ہیں کہ دشمن اسلام جو بلحاظ عداوت اب بھی "قریش" سے کم نہیں، اس کے سوا چارہ نہیں دیکھتے کہ ان کے خلوص اور ایمانداری کا اقرار کریں۔ ایک غیر مسلم جس کو اسلام سے پوری عداوت ہے، یوں لکھتا ہے۔

"چاروں خلفا کے اطوار صاف اور یکساں ضرب المثل تھے۔ ان کی کوششیں اور انہماک خلوص سے لبریز تھا۔ انھوں نے با اختیار ہونے کے بعد اور عزت و ثروت پر بھی اخلاقی اور مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہ کی۔ اور یہی لوگ محمد کے ابتدائی مشوروں میں شریک تھے۔

سر ولیم میور جو تعلق اسلام کی وجہ سے پڑھے لکھے مسلمانوں میں خصوصیت سے مشہور ہیں۔ لکھتے ہیں کہ

"آخری دم تک ابوبکرؓ کا دماغ، ان کے خیالات اور صفائی قلب تبدیل نہ ہوئی۔ بیت المال میں سے جو رقم لوگوں کے اصرار سے وقتاً فوقتاً لینی پڑی وقت مرگ وہ تمام، اپنی جائداد فروخت کر کے واپس کر دینے کی وصیت کر دی۔ تاکہ مسلمان اپنے روپے سے محروم نہ رہیں۔ اور ان کا روپیہ خلیفہ وقت کے کام نہ آئے۔ عدالت حضرت عمرؓ کے سپرد تھی، کتابت حضرت علی کے۔ ہر معاملہ میں حضرت عمر اور حضرت علی سے مشورہ ضرور کر لیتے تھے۔"

"خلیفہ اول" کے ان حالات کا یقین کرنے کے بعد جو مسلم ہیں اور سیدۃ النساء کی اس طبیعت سے واقف ہو کر جو اوپر بیان ہوئی، کون کہہ سکتا ہے کہ معاملہ کی نوبت یہاں تک پہنچ سکتی تھی، جیسا کہ سمجھا جاتا ہے، جو شخص ایک جانور کو دیکھ کر رو دے

Marfat.com

اور یہ کہے کہ یہ مجھ سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس لیے کہ عاقبت سے محفوظ ہے اور شب و روز اس خوف سے لرزا کرے کہ دیکھئے بعد موت حساب کتاب کے وقت کیا گزرے گی۔ اس سے اتنا بڑا ارتکاب کہ کسی معمولی آدمی کو بھی نہیں "بنت الرسول" کو حق جائز سے محروم کردے۔ ہمارے قیاس میں نہیں آتا۔ "خلیفہ دوم" یعنی عمرؓ وہ شخص جس کی بابت دشمن اسلام یہ کہے کہ "عمرؓ وہ شخص تھا کہ جس کے فیصلہ میں کبھی پاسنگ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی"۔ کس طرح مان لیا جائے کہ رسول زادی کی توہین نہیں۔ "اتنا مارا اور پیٹا کہ حمل ساقط ہو گیا۔۔۔۔" !!

جب حضرت علی خلیفہ ہوئے اور اپنے زمانہ خلافت میں ایک روز رات کے وقت گلیوں میں پھر رہے تھے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ مسجدیں بقعۂ نور بنی ہوئی تھیں بے ساختہ کہنے لگے "خدا عمرؓ کی قبر کو ایسا ہی روشن کرے۔ جیسا کہ وہ خدا کے گھر کو روشن کر گئے"۔

اب ہم اصلی معاملہ پر ذرا نظر ڈال لیں کہ آیا رسول اللہ سے یہ ممکن تھا کہ وہ سیدہؓ کو فدک دیدیں۔ اس سلسلہ میں ہم کو سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ جس وقت فدک سرورِ کائنات نے اپنی بیٹی کو دیا، اس وقت اسلام کی مالی حالت کیا تھی۔ آیا اشاعت اسلام ایلچیوں کے مصارف، مہمانوں کے قیام غیر مسلموں کے حملوں وغیرہ وغیرہ کے لئے روپیہ کی جو ضرورتیں ہوتی تھیں۔ اور اگر خود یہ ضرورتیں بآسانی پوری نہ ہوسکتیں تھیں تو کیا محمد رسول اللہ کی رسالت سے یہ ممکن تھا کہ وہ بیٹی کو ۲۴ یا ستر ہزار کی آمدنی کی جایداد دیدیتے۔ اور اسلام کی مطلق پرواہ نہ کرتے۔ فدک ہجرت کے ساتویں برس رسول اللہ کے قبضہ میں آیا ہے۔ اور یہ وہ زمانہ ہے کہ مسلمان پیٹ بھر روٹی بھی نہ کھا سکتے تھے۔ ان دنوں میں رسول اکرمؐ نے متواتر فاتے کئے ہیں۔ پیٹ پر پتھر باندھے

Marfat.com

ہیں۔ بال بچے روٹی کے نام کو ترستے اور ایک جو کا دانہ اُڑکر منہ میں نہ جاتا۔ دشمن ہر طرف سے نرغہ کئے ہوئے تھے۔ ایلچیوں کا تار بندھا ہوا تھا۔ جہاد کی ضرورت ہر لحہ آنکھ کے سامنے درپیش تھی۔ اور آلاتِ حرب کی ضرورتیں پوری نہ ہوسکتی تھیں۔ ایسے نازک زمانہ میں خدا کی طرف سے مسلمانوں کو ترغیب دی جاتی تھی، کہ وہ اپنا مال خدا کی راہ میں صرف کریں۔ لوگ خود فاقہ کرتے۔ بچوں کو بھوکا رکھتے۔ اور اپنا مال فی "سبیل اللہ" رسول کے سامنے لاکر رکھتے۔ اور ضرورتیں پوری نہ ہوتیں تو رسالت مآب ایک ایک کا منہ تکتے اور خدا کا شکر کرتے۔ ایسے مواقع جس شخص کے سامنے ہوں۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا اسلام کا عاشق ہو، جس شخص کو اسلام اور اسلام کی دُھن کے آگے دنیا کی ہر شئے ہیچ معلوم ہوتی ہو، اس سے یہ توقع رکھنا۔ اور اس بات کو سچ سمجھنا کہ "اس نے چوبیس ہزار یا ستر ہزار کی جایداد الگ بیٹی کو دیدی" رسول اللہ کی رسالت کے متعلق کیا بتاتا ہے؟ اور غیر مسلم اس سے کس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں؟ جو اصلی مقصد اس کی زندگی کا ہے وہ پورا نہ ہو۔ اسلام خطرہ میں پڑا رہے اور ایک ایک پیسہ کو ترسے اور رسول اللہ "فدک" سیدہ کو دیدیں۔ اور باقی تمام عزیز و اقارب کو محروم کردیں!! توبہ توبہ!!!

وہ پاک ذات جو مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجی گئی، جس کو اپنے نمونہ سے اہلِ دنیا کو زندگی کا سبق دینا تھا۔ جس کو بتانا تھا کہ دنیا اور دنیا کی زندگی کیا ہے جس کو زندگی سکھلانی تھی۔ اس سے ایسا فعل، نعوذ باللہ! اور اس وقت کے مسلمان جن میں نئے نئے لوگ تھے۔ جن کا ذرا سے شبہ پر فرنٹ ہو جانا ممکن تھا۔ اس ایک فدک کے معاملہ سے کیا کچھ نہ گزرتے اور اسلام پر کیسے ثابت قدم رہتے۔ اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی پیشِ نظر رہے کہ سیدہ جیسی محترم بیوی جو

Marfat.com

رسول اکرمؐ جیسے باپ کی بیٹی تھی۔ اس کو روا رکھتی کہ تمام عزیز محروم رہیں اور عزیز بھی وہ جن کی عظمت اور خدمت کا خدا معترف ہو۔ اور خود فدک کی مالک ہو جائے۔ ؟

اگر یہ فدک کا مسئلہ صحیح سمجھ لیا جائے تو اسلام پر حرف آتا ہے۔ رسول کی شان ایسے رکیک فعل سے بہت ارفع و اعلیٰ تھی۔ اور ہرگز ہرگز ایسا فعل ان سے سرزد نہ ہو سکتا تھا۔ کتب اہل تشیعہ ثابت کر رہی ہیں کہ غزوہ آخر غزوہ بتوک تھا۔ اور یہ وہ موقعہ ہے کہ افلاس و عسرت کی وجہ سے اس کا نام "جیش العسرۃ" مشہور ہے۔ چونکہ رسول اللہ کے پاس اس غزوہ کے واسطے سامان کافی نہ تھا۔ خدا کی طرف سے آیتیں نازل ہونی شروع ہوئیں۔ مسلمانوں نے مدد دی۔ مگر یہ کافی نہ ہو سکتی تھی۔ اس لئے اس آیت کا نزول ہوا۔

انفروا خفافا وثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ اس آیت کا نازل ہونا تھا کہ مسلمان فوراً اٹھے اور جس کے پلے تھا۔ لا کر حاضر کرنا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ اپنا نصف مال لے آئے۔ ابوبکرؓ تمام عبدالرحمن بن عوف۔ عباس بن عبدالمطلب طلحہ بن عبداللہ۔ سعد بن عبادہ۔ محمد بن سلمہ۔ غرض اپنی اپنی حیثیت کے موافق جو جس سے بن پڑا لے آیا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ جن کے پاس نقد نہ تھا۔ انھوں نے کھانے پینے کی چیزیں حاضر کیں۔ عاصم بن عدی نے سو وسق خرمے۔ ابو عقیل انصاری نے سوا سیر چھوارے۔ اور یہ وہ چھوارے تھے جن کو رسول نے سب سے اوپر رکھا۔ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کی جانیں اپنے رسول پر سے قربان اور اسلام پر فدا تھیں۔ مگر روپیہ پیسہ تو درکنار ایک وقت کا کھانا بھی میسر نہ تھا۔ روتے ہوئے آئے اور عرض کیا۔

Marfat.com

"اے خدا کے سچے رسول ہمارے پاس سوا ہماری جانوں کے کچھ نہیں ہے۔ ہمیں سواری دیجئے کہ آپ کے ساتھ چلیں۔ اس پر سرور عالم نے فرمایا۔ "جو کچھ تم چاہتے ہو میرے پاس نہیں"۔ یہ لوگ رونے لگے۔ اور ان کی جماعت "بکائین" کی جماعت کہلاتی ہے۔ المختصر تیس ہزار مسلمانوں میں صرف ہزار سواریاں تھیں۔ باقی سب کے سب پیدل خدا کی راہ میں روانہ ہو گئے۔ یہ ایسا نازک سماں اور تنگی کا وقت تھا کہ لوگ روتے رہ جاتے تھے۔ اور سرور کائنات انکی آرزو بوجہ عسرت کے پوری نہ فرما سکتے تھے۔ یہ ابتدائی حالت نہ تھی۔ بلکہ ہمیشہ رسول اللہؐ کی مالی حالت ایسی ہی رہی۔ عمر کے سال آخر میں یعنی "حجتہ الوداع" کے بعد جب آپ مدینہ تشریف لائے ہیں تو امام جعفر صادق سے ایک حدیث منقول ہے۔ اور اہل تشیع کی مشہور کتاب "کافی" میں درج ہے کہ "انصار نے آپ سے عرض کیا"۔ "یا رسول اللہ باہر سے قاصد آتے ہیں۔ آپ کے پاس کچھ نہیں۔ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم کچھ خدمت کریں۔ کیونکہ آپ کے اس افلاس پر دشمن ہنستے ہیں"۔

ان واقعات سے بالکل صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ کی مالی حالت کیسی تھی۔ اور مسلمان کس تکلیف کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ کیا ایسی حالت میں رسول اللہؐ کا یہ فعل کہ فدک جناب سیدہؑ کو دیدیں وہ لوگ جائز سمجھ سکتے تھے۔ اور رسول اللہؐ کی مجبوری کو تسلیم کر سکتے تھے؟۔

علاوہ ان واقعات کے دو واقعے خود سیدہؑ کے ساتھ ایسے پیش آئے ہیں جو معاملہ کو قطعی منفصل کر رہے ہیں۔

صاحب قرب الاسناد، امام جعفر صادق کی روایت سے لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ امیر علیہ السلام اور سیدۃ النساء خدمت اقدس میں حاضر

Marfat.com

ہوئے کہ کاروبار خانگی کی تقسیم فرمادی جائے۔ سرورِ عالم نے گھر کے اندر کا کام زہراؑ کے اور بازار کا تمام کام امیر کے متعلق طے کر دیا۔ جس سے ظاہر ہے کہ کوئی نوکر یا خدمت گار موجود نہ تھا۔

صاحب عللؔ الشرائع امیر علیہ السلام سے روایت کر رہا ہے کہ خانگی "تکالیف سے اُکتا کر سیدہ ایک موقع پر رسول اللہ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئیں کہ کوئی خادم طلب کریں۔ تاکہ پانی بھرنے مشکیں ڈھونے اور چکی پیسنے سے جسم پر جو نشانات پڑ گئے ہیں اس مصیبت میں کچھ کمی ہو۔ سرورِ عالم نے یہ ضرورت سُنکر فرمایا کہ "میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جو تم دونوں میاں بیوی کے حق میں خادم سے ہزار درجہ بہتر ہو۔ تم روزانہ یہ پڑھا کرو" اس واقعہ سے صرف ظاہر ہے کہ کبھی رسول اللہ نے یہ نہ چاہا کہ اپنی اولاد یا عزیزوں کا درجہ عام مسلمانوں سے زیادہ کر دیں۔ اور ان کی آسائش کا خیال کسی حال میں ا کو دوسروں سے زیادہ نہ تھا۔ درحقیقت وہ خلق خدا کو ایثار علی النفس سکھانے آئے تھے۔ کیا ایثار علی النفس کی تلقین کرنے والا انسان ایسا کر سکتا ہے کہ فدک اپنی بیٹی کو دیدے؟۔

صاحب عیونؔ الاخبار امام زین العابدین سے روایت کر رہے ہیں اسماء بنت عمیس کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ نے سیدۃ النساء کے گلے میں سونے کا گلوبند دیکھا اور یہ امیر علیہ السلام نے ان کے لئے خریدا تھا۔ رسول اکرم نے دیکھ کر فرمایا "کیوں فاطمہ لوگ تمہارا زیور دیکھ کر یہ نہ کہیں گے کہ محمد کی بیٹی فاطمہ، جابرہ یعنی مغرور امیروں کا سا زیور پہنتی اتنا سنتے ہی سیدہ نے اُسے توڑ ڈالا۔ اور بیچ کر ایک غلام خریدا۔ اور اُ راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔

Marfat.com

زرارہ کافی میں امام باقرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک موقعہ پر سیدہؑ نے دو کنگن چاندی کے بنوائے اور ایک پردہ اپنے دروازہ پر لٹکایا، سرورِ عالم سفر میں تھے جب واپس تشریف لائے تو سیدہؑ کے ہاں گئے۔ سیدہؑ ہشاش بشاش رسول اللہ کی طرف دوڑیں رسول اللہ ہاتھوں میں کنگن اور پردہ دیکھکر بغیر تشریف رکھے واپس چلے گئے سیدہؑ رونے لگیں۔ اور اسی وقت حسنین کو بلا کر ایک کو کنگن اور دوسرے کو پردہ دے کر فرمایا کہ جاؤ اور کہو "آپ کی عدم موجودگی میں ہم نے یہ دو چیزیں بنائی ہیں اس کے سوا کچھ نہیں یہ حاضر ہیں۔ جو مناسب خیال فرمایئے وہ کیجئے" رسول اللہ نے دونوں بچوں کے منہ چوم لئے۔ گود میں بٹھایا اور حکم دیا کہ یہ دونوں چاندی کے کنگن توڑ دو" اور اہل صفا کو جن کا کوئی گھر در نہ تھا اور مسجد نبوی میں پڑے رہتے تھے۔ بلا کر چاندی کے کنگنوں کی تقسیم کر دی۔ ان ہی لوگوں میں سے ایک کو جس کے پاس بدن ڈھانکنے کو چیتھڑا تک نہ تھا پردہ پھاڑ کر ایک ٹکڑا دیدیا۔ اور جس قدر آدمی برہنہ تھے۔ سب کو اسی طرح ایک ٹکڑا دے کر فرمایا۔

"خدا رحمت بھیجے فاطمہ پر اُن کو جنت کے حلے دے۔ اس بخشش کے بدلے جو انھوں نے کی۔ اور اس پردے کے بدلے۔ جس سے ننگے مسلمانوں کا بدن ڈھنکا، اور جنت کا زیور پہنائے ان کنگنوں کے بدلے جو انھوں نے غرباء کو تقسیم کئے۔"

پھر ان واقعات کے بعد اب کون ایسا شخص ہوگا جو یہ یقین کر سکتا ہے کہ رسول اللہ نے ستر ہزار کی جاگیر اپنی بیٹی کو عطا کر دی ہو؟

اب ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ رسول اللہ کا انتقال ایسا صدمہ نہ تھا، جو سیدہؑ جیسی بیٹی بآسانی برداشت کر سکتی۔ یہ کہنا کہ ان کے ہوش و حواس میں

اس واقعہ سے فرق آگیا۔ یقیناً غلط ہوگا۔ مگر یہ کہنا قرین قیاس ہوگا کہ یہ وقت وہ تھا جب ہر بات کا اثر ضرورت سے زیادہ ان کے مزاج پر ہو رہا تھا، وہ فراق پدری میں ہر شے کو فراموش کر چکی تھیں۔ اور اگر شب و روز ان کو کچھ کام تھا تو باپ کی یاد میں گریہ وزاری اُن کو نہ خلافت سے واسطہ تھا۔ نہ فدک سے۔ جو صدمہ سیدہؓ کو باپ کے انتقال سے پہنچا، وہ زائل تو کسی طرح نہ ہو سکتا تھا۔ خواہ مخواہ کی رخنہ اندازیاں اور دھڑے بندیاں جو مسلمانوں میں پیدا ہوگئیں۔ اور جن کی وجہ سے اسلام کو ناقابل برداشت نقصان اُٹھانا پڑا اور پڑ رہا ہے۔ سب بعد کے جھگڑے ہیں اور حضرت علیؓ کی خلافت تک اُن کا مطلق پتہ نہ تھا، "خلیفہ اول" کے علم و فضل ان کی اخوت و محبت اور سب سے زیادہ آنکی اسلامی خدمات اور اس ہی کے قریب قریب شفقتِ رسول اللہ بحیثیت مجموعی ایسی صفات تھیں جو ایک انسان کو کامل چھوڑ اکمل بنا دیں۔

محی الدین ابن عربی ایک موقعہ پر لکھ رہے ہیں۔ اور ان کے اس خیال کی تائید خود اسلام کر رہا ہے کہ "خلیفہ اول" کے ان احسانات کے علاوہ جن سے اسلام کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ ان کا علم و فضل ان کا زہد و اتقا ان کی عبادت و ریاضت اس حد تک پہنچ گئی تھی، اور دوران خلافت ہی میں نہیں بلکہ رسول اللہ کی حیات میں کہ اگر چند روز رسول اللہ اور زندہ رہتے تو قریب آگیا تھا وہ وقت کہ حضرت ابوبکرؓ سے پردہ کرنے لگتے۔ باوجود اس حالت کے ان کو ہمیشہ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں مجھ سے معاملہ میں غلطی نہ ہو جائے۔

ایک روز اسی حالت میں وہ روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے۔ پریشانی کا یہ عالم کہ کسی سے بات نہ کرتے تھے۔ آنکھ سے زار و قطار آنسو کی لڑیاں بہ رہی تھیں۔ عشق رسول کا یہ عالم تھا۔ کہ روضۂ اقدس کے روبرو آنکھ بند کیے کھڑے

Marfat.com

تھے۔ اور استغراق کی یہ کیفیت تھی کہ صبح کا نکلا ہوا آفتاب سر پر سے گزر گیا۔ اور آفتاب بھی ہندوستان کا نہیں عرب کا۔ لیکن پاؤں نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی اور باوجود اس احساس کے جو انسانی ہستی مشکل سے کر سکتی ہے۔ ایسی خلافت کے فرائض انجام دئے۔ جس میں "امیر المومنین" کی وقعت ایک معمولی مسلمان سے زیادہ نہ تھی، الحق صدیق ہی جیسے بشر کا کام تھا۔ ہبہ فدک کے متعلق باوجود ایسی زبردست دلائل اور احادیث کے جو پیش ہو رہی ہیں، ہمارے دل کو بھی نہیں لگتا، ورنہ انگلی ٹکانے کی بھی گنجائش ملجاتی تو ہم سیدہؓ کے لئے پوری ٹیک دیتے۔ اس لئے ہم یقیناً یہ نہ کہیں گے کہ فدک کے معاملہ میں سیدہ کو کوئی رنج پہنچا۔ سیدہ فاطمۃ الزھرا جیسی خاتون جو باوجود امکان کے بھی کبھی چار سیر آٹے یا دو سیر کھجوروں کی بھی مالک نہ رہی۔ ہزاروں درہم و دینار کی فطرتاً مالک بن ہی نہ سکتی تھی۔ قیاس میں نہیں آتا کہ نادان دوست کیوں ایسی عظیم الشان زندگی کو حرص دنیا سے ملوث کرتے ہیں؟

اگر سیدہ اس خلافت سے ناخوش ہوتیں۔ تو جب انھوں نے خود یہ کہدیا تھا کہ "دوسرا خلیفہ منتخب کر لو۔ میں اس قابل نہیں ہوں" تو مسلمان بنت الرسول کے رنج سے تغافل کرنے والے نہ تھے۔

حضرت ابوبکرؓ نے علی الاعلان یہ کہدیا تھا کہ "خلافت سے میں خوش نہیں۔ دوسرا خلیفہ مقرر کر لو" بڑے بڑے دور اندیش اچھے اچھے مبصر بڈھے بڈھے تجربہ کار موجود تھے اور یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے رسول اللہ کے چہرہ اقدس کی زیارت ہی نہیں بلکہ مدتوں خدمت کی تھی۔ اسلام کے سچے عاشق اور عشق بھی کیسا فنافی الاسلام، ایک صدیق ایک فاروق کیا ان کے سامنے تو فرشتہ بھی اسلام کے برخلاف ایسی بات کہتا کہ ان کے دل کو نہ لگتی تو تسلیم نہ

Marfat.com

کرتے۔ لاکھ "خلیفۂ اول" نے پیچھا چھڑانا چاہا مگر موقع اتنا نازک اور لوگ ایسے کھرتل، دور اندیش، سمجھدار کہ اسلام کے نام پر پسینہ کی جگہ خون بہانے کو تیار۔ وہ سنتے کس کی اور سمجھتے کس کو؟ مگر بعض آدمی ایسے موجود تھے، جو اسلام کی وقعت کو خاک نہ سمجھتے تھے۔ ہاں یہ ضرور سمجھتے تھے کہ اسلام بھی رسول اللہ کی ملکیت ہے۔ اور بیٹی داماد کے ہوتے دوسرا اسکا حقدار نہیں ہو سکتا۔ لیکن خود سیدۃ النساء کے دل میں اسکا خیال کبھی پیدا نہ ہوا۔

خلیفۂ اول سیدہ کے بعد زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہے۔ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے۔

گو یہ بحث ہمارے موضوع سے متعلق نہ ہو۔ مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خلیفہ دوم کے عہد میں حضرت علیؑ ان کے ساتھ شیر و شکر تھے۔ انھوں نے ہمیشہ "خلافت فاروقی" کو عزت کی نگاہ سے دیکھا۔ حضرت علیؑ کے بعد یہ دھڑے بندیاں اور اختلافات جو آج سنی و شیعہ کی صورتوں میں ظاہر ہو رہا ہے۔ شروع ہوا۔ مگر "خلافت شیخین" کو اس سے مطلق واسطہ نہیں ہے!

خلیفہ دوم، نے حسنین علیہ السلام اور امیر علیہ السلام کا امتیاز تا دم واپسیں قایم رکھا۔ اور باوجود کسی معاملہ میں عمر بھر رعایت نہ کرنے کے "اہل بیت" کے اعزاز میں فرق نہ آنے دیا۔ حسنین علیہا السلام کی عزت کی جتنی توقع ہو سکتی تھی۔ اس سے زیادہ کی، یزدجہاد (یزدگرد) کی بھانجی نوشیرواں کی پوتی۔ شہربانو جب گرفتار ہو کر پیش کی گئی ہے۔ تو جو پوشاک اس کے جسم پر تھی وہ مال غنیمت میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کی گئی۔ کئی ہزار درہم کی تھی۔ مال تقسیم ہونے کے بعد جب شاہزادی کی تقسیم کا وقت آیا ہے۔ تو ہر شخص بیتاب تھا۔ کہ دیکھئے شہربانو کس کے حصہ میں آتی ہے۔ "خلیفہ دوم" نے اس کے احترام کو ملحوظ رکھ کر فرمایا،

Marfat.com

" تم دُنیا کی شہزادی تھیں۔ آج سے میں تم کو دین کے شہزادے کے سپرد کرتا ہوں"
اور امام حسین علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔ یہ وہی شہر بانو ہیں جو میدان کربلا میں
"امام عالی مقام" کے ساتھ تھیں۔

مختصر یہ ہے کہ از ابتدا تا انتہا ہم کو تو کوئی بات صدیق اکبرؓ کی لڑائی جھگڑے
کی نظر نہیں آتی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اخیر وقت تک ناخوش رہیں۔ اور ایسی کہ مرتے
دم تک بات نہ کی۔ جنازے پر نہ آنے دیا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں جو سمجھے
جا رہے ہیں۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ سیدہؓ کے مزاج میں شرم و حیا بدرجہ غایت تھی۔
انھوں نے واقعی اپنے جنازے پر کسی کو نہ آنے دیا۔ لیکن "کسی" سے مطلب
"شیخین" سے نہیں۔ بلکہ ہر نامحرم شخص سے ہے۔ انھوں نے وصیت کر دی تھی کہ
"میرے جنازے کو کوئی غیر شخص ہاتھ نہ لگائے اور نہ کسی کی نظر میری
میت پر پڑے"۔

سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کی رحلت

رسول اللہ ﷺ کے بعد اگر کوئی دل خوش کرنے والا خیال تھا تو صرف وہ الفاظ
جو آپ نے سیدہؓ کے اضطراب میں آخر وقت فرمائے تھے! "فاطمہ سب سے
پہلے مجھ سے تم ملو گی" کیونکہ رسالت مآب ﷺ کے انتقال فرماتے ہی سیدہؓ کا
دل دُنیا کی بے ثباتی سے اُکھڑ گیا تھا۔ وہ ماں اور بیوی ہونے کی حیثیت سے اپنے
فرائض کو اچھی طرح سمجھتی تھیں اور اس لئے کہ اسلام نے اجازت نہیں دی۔
موت کی متمنی بھی نہ تھیں۔ مگر اُس محبت کا اندازہ بہت مشکل سے ممکن ہے جو
سیدہؓ کو رسول اللہ ﷺ سے تھی۔ ماں کی محبت ان میں مضمر، باپ کی محبت ان میں

ظاہر اور اس پر طرہ رسولؐ کی محبت گویا تین محبتیں ایک سیدہ کے قلب میں رسول اللہؐ کے چہرۂ اقدس کی زیارت کروں۔ باوجود اس ادھیڑ بن کے انھوں نے رحلت کے چند گھنٹے پیشتر دونوں بچوں کو اپنے ہاتھ سے نہلایا ہے۔ آخر وقت تک ان فرائض میں مطلق تساہل نہ کیا جو ایک ماں اور بیوی کے واسطے انجام دینے ضروری ہیں۔ اس حالت میں بھی جیسا کہ زندگی کے اس آخری حصہ کو کہا جاتا ہے کہ انتہائے مصائب نے انھیں مصیبتوں کی پوٹ بنا دیا تھا۔ اور فریقین اس کے معترف ہیں کہ خانہ داری کی مصروفیت، بچوں کی تربیت، شوہر کی خدمت انہاک عبادت کسی میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ اکثر رات کے وقت روضۂ اقدس پر حاضر ہوتیں اور بعد عشا وہیں عبادت میں مصروف رہتیں۔

اس وقت سیدہ کی جو حالت تھی ہم الفاظ میں اس کو ادا نہیں کر سکتے۔ باپ کی موت یقیناً ایک مصیبت کا پہاڑ تھی۔ اور جیسا کہ عام دستور ہے۔ خیال تھا کہ رفتہ رفتہ یہ صدمہ زائل ہوگا۔ مگر برعکس اس کے جوں جوں دن گذرتے تھے اُن کی طبیعت زیادہ متاثر ہوتی جاتی تھی۔ ماں کی یہ حالت دیکھ کر بچوں نے دلداری اور شوہر نے دلجوئی میں کمی نہ کی۔ مگر یہ صدمہ کچھ ایسی بُری طرح ہاتھ دھو کے پیچھے پڑا کہ نقاہت روز بروز زیادہ بڑھتی گئی۔ رسول اللہ کو انتقال فرمائے تین ہفتہ بھی نہ ہوئے تھے کہ وہ ایک روز رات کے وقت تہجد میں مصروف تھیں۔ اور یہ وہ روز تھا کہ اس روز گھر میں کچھ پکا پکایا نہ تھا۔ اور سب فاقے سے تھے۔ امیر علیہ السلام اور بچے بے خبر پڑے سوتے تھے۔ اور وہ دو وقت کی بھوکی خدا کے حضور میں کھڑی تھیں۔ قدرت کے انتظام سب کے لئے برابر ہیں۔ دفعتہً چکر آیا۔ اور اس زور سے گریں کہ سخت چوٹ آئی۔ ان اللہ کے نیک بندوں کو ڈاکٹر یا حکیم تو کیا۔ ہلدی چونہ بھی نہ جُڑتا تھا۔ اس دھماکے سے حضرت علی کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سیدۃ النسا

Marfat.com

بیہوش پڑی ہیں۔ بیچین ہو گئے۔ مٹی سنگھائی۔ منہ پر پانی چھڑکا۔ کچھ دیر بعد جو سیدہ کو ہوش آیا تو امیر علیہ السلام کے آنسو سیدہ کے چہرے پر گر رہے تھے۔ دیکھ کر بیتاب ہو گئیں۔ اور کہا۔

علی کیوں روتے ہو" حضرت علی کچھ دیر خاموش رہے۔ اور پھر کہا" خدا کی قدرت دیکھ رہا ہوں کہ آج دو وقت سے ہم میں سے کسی کے منہ میں دانہ تک نہیں گیا۔ اسی وجہ سے تم کو چکر آیا اور گر پڑیں۔ ان تکلیفوں کا بدلہ خدا ہم کو جنت میں دے گا"

سیدہ نے شوہر کی یہ گفتگو سنکر آسمان کی طرف دیکھا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ مگر یہ چوٹ مرض کی ابتدا ہو گئی۔ اب ان کو زیادہ دیر تک کھڑے رہنے اور زیادہ دور چلنے پھرنے میں تکلیف ہوتی تھی۔ اور روضۂ اقدس پر بھی کم آتی جاتی تھیں۔ اس کمی نے گھٹ گھٹ کر اور بھی بیقرار کر دیا۔ رسول اللہ کا ایک پیرہن مبارک ہر وقت ہاتھ میں ہوتا۔ اس کو آنکھوں سے لگاتیں سر پر رکھتیں، سونگھتیں اور روتیں۔

بیوی کی یہ کیفیت دیکھ کر حضرت علی کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ وہ ہر چند سمجھاتے اور تسلی دیتے تھے مگر فراقِ پدر ایسی چیز نہ تھا کہ اس کا صدمہ زائل ہو جاتا جب حالت زیادہ خراب ہونے لگی تو ایک روز سیدہ نے حضرت علی ہی سے درخواست کی کہ

علی زندگی کا بھروسہ نہیں۔ حالت روز بروز بگڑ رہی ہے۔ مجھ کو ایک دفعہ رسول اللہ کے مزار مبارک کی زیارت کرا دو۔ دل تڑپ رہا ہے طبیعت بیچین ہے۔ چاہتی ہوں کہ کچھ دیر خدمت اقدس میں حاضر رہوں۔ اور جانتی ہوں کہ مزار پاک کی خاک میری اس گھبراہٹ کو کم کر دے گی"

Marfat.com

حضرت علی بیوی کی یہ درخواست سنکر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ساتھ لے کر روضۂ پاک پر آئے۔ یہاں پہنچنا تھا کہ سیدہ کا اضطراب اور زیادہ بڑھا۔ دیر تک مزار سے لپٹی پڑی رہیں۔ اور خاکِ مزار منہ ہاتھ پر ملتی رہیں جب وہ بےچینی فرو ہوئی تو گھر تشریف لائیں۔ اس وقت انھیں مواخذہ آخرت کا تصور بندھا اور خیال آیا کہ خدا کے حضور میں حاضر ہونے کے واسطے میں اپنے ہمراہ کیا تحفہ لے جا رہی ہوں۔ اس خیال نے اور بھی مضطرب کر دیا۔ حضرت علی نے کہا "فاطمہ تمہاری بابت رسول اللہ فرما چکے ہیں کہ تم خاتون جنت ہو، پھر کیوں پریشان ہوتی ہو"

جواب دیا "ہاں! مگر خاتون جنت ہونے سے پہلے تمام عمر کی جوابدہی کرنی ہے"

سیدہ موت کی متمنی نہ تھیں۔ وہ یہ بھی کوشش کرتی تھیں کہ رسول اللہ کے انتقال کا صدمہ ان کے دل سے زائل ہو جائے۔ جانتی تھیں کہ حسنین جیسے لال بن ماں کے ہو جائیں گے۔ جو شفقت اور دلجوئی میں کر رہی ہوں۔ میرے ہی دم تک ہے۔ میرے بعد کون میٹھا ہے جو ان کو کلیجے سے لگائے گا۔ اور میٹھی نیند سلائے گا۔ اگر رسول اللہ جیسے باپ کی جدائی تھی تو ادھر علی جیسے شوہر حسنین جیسے بچوں زینب اور کلثوم جیسی بچیوں کی۔ مگر خدا کو یہی منظور تھا کہ سیدہ کا سایہ بچیوں پر زیادہ عرصہ تک نہ رہے۔ ایسی حالت میں خود سیدہ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو انھوں نے سوچا کہ نا محرم میرے جنازے کو ہاتھ لگائیں گے۔ آج تک کسی نا محرم کی نظر میرے چہرے پر نہیں پڑی۔ اس خیال کے آتے ہی انھوں نے حضرت علی کو وصیت کی کہ میری میت کو نا محرم ہاتھ نہ لگائے۔ رات کے وقت دفن کر دینا۔

Marfat.com

یہ خیال اس حد تک ترقی کر گیا۔ کہ ان کو گہوارہ کی صورت پر بھی اطمینان نہیں ہوا۔ اور خود وہ گہوارہ تجویز کیا۔ جس میں آج تک مسلمان عورتیں اپنے گھروں سے رخصت ہو کر قبروں میں پہنچتی ہیں۔ موجودہ گہوارہ جس میں قد و قامت جسم کسی چیز کا نا محرم کو پتہ نہ چلے۔ سیدہ کا کی تجویز ہے۔

پانچ چھ روز اس کے بعد اور گزرے اب چلنے پھرنے کی طاقت اچھی طرح نہ تھی بچے ہر وقت ماں کے کلیجے سے لگے رہتے تھے۔ ان کو چمٹائے ہوئے روتی تھیں۔ اور ان معصوموں کی آیندہ حالت کا خیال کر کے ماتا کے جوش میں بیتاب ہو جاتی تھیں۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت علی باہر سے تشریف لائے تو دیکھا کہ تھوڑی سی مٹی گھلی ہوئی ایک برتن میں پاس رکھی ہے، میلے کپڑے الگنی پر دھلے پڑے ہیں۔ چکی پیس رہی ہیں اور رو رہی ہیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت علی سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور کہا۔

"فاطمہ! تمہاری حالت اس قابل نہیں ہے"

شوہر کے اس کہنے سے جی بھر آیا۔ زیادہ رونے لگیں تو حضرت علی نے سیدہ کا سر اپنے سینہ سے لگا لیا۔ خاموش ہوئیں اور کہا۔

"علی! رات کو میں نے رسول اللہ کو خواب میں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کسی کے منتظر ہیں۔ میں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ میری حالت خراب ہے۔ جدائی کا زمانہ قیامت ہو گیا" تو فرمانے لگے۔

"فاطمہ! تم کو لینے آیا ہوں۔ اٹھو چلو، بچوں کو خدا کے سپرد کرو۔ اور جنت کی سیر دیکھو" علی! مجھ کو یقین ہے کہ موت کا وقت قریب آ گیا۔ مٹی اس لئے گھولی ہے کہ بچوں کو اپنے ہاتھ سے ایک دفعہ اور نہلا دوں۔ کپڑے اس لئے دھوئے ہیں کہ بدن کے کپڑے اپنے سامنے بدل دوں۔ جو اس لئے پیس رہی ہوں

Marfat.com

کہ میرے بعد تم اور بچے بھوکے نہ رہو۔"

حضرت علی اس خواب کو سنکر بیقرار ہو گئے، اور کہا۔

فاطمہ کیا کہہ رہی ہو۔ ابھی رسول اللہ کا صدمہ تازہ۔ تم ایسی باتیں کر رہی ہو"

آپ نے فرمایا جو اس میں کہا اس میں بھی کرنا۔"

اس کے بعد آپ نے بچوں کو قریب بلایا۔ ان کے سر پر ہاتھ پھیرے اور گلے لگایا۔ روئیں، رو کر کہا کہ

"پیارے بچو جاؤ نانا کے مزار پر حاضر ہو۔ اور میرے لئے دُعائے مغفرت کرو۔"

دونوں بچے روتے ہوئے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے مگر فوراً ہی اُلٹے پاؤں واپس آ گئے، تو سیدہ نے بچوں کو گلے سے لگا لیا۔ اور کہا کیوں واپس چلے آئے" دونوں بچے رو رہے تھے۔ اور ماں کے گلے میں ہاتھ ڈالے ایک لمحہ کو علیحدہ نہ ہوتے تھے۔ حضرت علی نے پانی پلایا۔ اور پوچھا، کہ "تم کیوں چلے آئے" تو دونوں نے کہا کہ "ہم کو روضۂ اقدس پر ایسا معلوم ہوا کہ کوئی کہتا ہے حسنین! تمہاری ماں دُنیا سے رخصت ہوتی ہے۔ چند گھڑی کی مہمان ہے۔ ان کی خدمت میں حاضر رہو۔ اور اس چہرے کی زیارت کرتے رہو۔ جو اب چھوٹتا ہے۔"

اب سیدہ کو اپنی رحلت کا پورا یقین ہو گیا۔ حضرت علی کو بلا کر کہا۔

"تین درخواستیں کرتی ہوں قبول کیجئے:۔

اوّل یہ کہ میری خطا اور قصور معاف کرنا۔

دوسرے یہ کہ جنازہ رات کے وقت اُٹھانا اور کسی نامحرم کو ہاتھ نہ لگانے دینا۔

Marfat.com

تیسرے یہ کہ بن ماں کے بچوں کی دلداری میں کمی نہ کرنا۔ ان کے سر سے ماں کا سایہ اُٹھتا ہے۔ ان کے دل کمزور۔ ان کے حوصلے پست اور ان کے جسم ناتواں ہیں۔ مگر ان کی باتیں بھولیں۔ ان کی ضدیں سچی۔ اور ان کی ہٹیں درست ہوں گی۔"

امیر علیہ السلام رونے لگے۔ اور فرمایا "تم بھی میری غلطیوں کو معاف کر دینا۔"

اس کے بعد سیدہ نے حضرت علی سے کہا: "بچوں کو لیکر روضۂ اقدس پر چلے جاؤ۔" جب حضرت علی چلے گئے تو آپ نے وضو کیا سپید کپڑے بدلے۔ اور اسماء سے کہا "علی سے کہدینا اسی لباس میں غسل دیں۔ برہنہ نہ کریں۔" اب حالت زیادہ بگڑ رہی تھی۔ قبلہ کی طرف منہ تھا۔ اور مناجات میں مصروف تھیں۔ رمضان المبارک کی تیسری تاریخ کو منگل کے روز مغرب و عشا کے مابین مدینہ کی اس شہزادی نے دنیا سے رحلت فرمائی۔

خاتمہ

آج چھ مہینے کے بعد قلم کا مسافر تھکا ہارا منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔ ریگستان عرب کی مسافت خاصی زحمت تھی۔ قدم قدم پر ٹھوکریں۔ کوسوں سناٹا، آدمی نہ آدم زاد۔ پانی نہ پتہ۔ اختلافات باہمی۔ لُو کے گرم تھپیڑوں اور باد سموم سے کم نہ تھے۔ تاریخ کی خوشی نے وسیع میدان میں ایسا اندھیر گھپ کیا تھا کہ منزلیں طے ہو گئیں۔ اور راتیں ختم۔ مگر ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی نظر نہ آیا۔ ہمت پہلے ہی مرحلے میں پست ہو چلی تھی۔ جہاں تک نظر جاتی تھی عالم سنسان تھا۔ تعجب یہ ہے کہ

Marfat.com

بڑے بڑے اُولو العزم شجاع اس راستہ سے گزرے۔ مگر کوئی نقش پا ایسا نہ چھوڑا۔ کہ بھولا بھٹکا مسافر پار ہو جاتا۔ یا رات کی تنہا گھڑیوں میں کوئی روشنی ہی رہبری کر دیتی۔ جی چھوٹ چلا تھا۔ مگر سیدہؓ کی عظمت دل کے کان میں یہ صدا دے رہی تھی کہ ہمت میں کمی نہ ہو۔ بیڑا پار کرنے والا خدا ہے۔ اب یہ صدا پوری ہوئی اور مہینوں کی محنت اس وقت ٹھکانے لگتی ہے۔ کہنے کو یہ سفر کٹھن تھا۔ مگر دل کی لگی نے خزاں کو بہار بنا دیا۔ عقیدت کا فرشتہ بآواز بلند کہہ رہا تھا کہ سیدہؓ کی شاہانہ سواری کوئی دم میں نظر آئی۔ اور یقین کی آنکھیں اپنی دُھن میں چشم براہ تھیں۔ کیسی پرلطف تھیں وہ راتیں جو اس انتظار میں صبح ہوئیں۔ اور کتنے مُبارک تھے وہ دن جنھوں نے گھنٹوں اس تخیل سے دماغ کو معطر رکھا۔ منزل پر پہنچکر آرام مل گیا۔ تکان دُور ہوئی۔ مگر میں ہی جانتا ہوں کہ مجھپر کیا گذری۔ جو امید برسوں سے دل میں پل رہی تھی اور جو خیال دماغ میں پک رہا تھا۔ آج وہ سب جدا ہوتے ہیں۔

بقیع میں آرام کرنے والی بی بی کا جسد خاکی قیامت کی نیند سو رہا ہے اس جوان مرگ سے خانۂ امیر کا وہ چراغ گل ہوا جو مدت العمر دوبارہ روشن نہ ہو سکا۔ اور بچوں کے سر سے ایک ایسا وارث اُٹھ گیا جس کی محبت بھری باتیں اور شفقت آمیز نظریں پھر سُننی اور دیکھنی نصیب نہ ہوئیں۔ مگر خدا کی مصلحت اسی میں تھی۔ زندگی ہوتی مصائب کی انتہا اور صدمات کی حد آخر۔

شہادت اہلِ بیت

اس وقت چشم بینا اس وادیٔ پُرخار سے نکل کر دوسرا منظر دیکھتی ہے۔ کربلا کا جلتا بھلتا میدان۔ دُور تک پھیلا ہوا ہے۔ ہوا طبقہ دوزخ کو مس کرتی ہوئی یہاں بھی پہنچ جاتی ہے۔ آفتاب انگارے برسا رہا ہے اور اس ہولناک میدان اور قیامت

Marfat.com

خیز عالم میں سیدہؓ کا لال اپنی ناموس کو لئے ششدر و حیران کھڑا ہے۔ آنکھیں پانی کی صورت کو تین روز سے ترس گئیں۔ دریا آنکھوں کے سامنے لہریں لے رہا ہے۔ مگر اتنی اجازت نہیں کہ آنکھ اُٹھا کر دیکھ لے۔ دودھ پیتے بچوں کی زبانیں باہر نکل پڑیں۔ ماؤں کے دودھ خشک ہو گئے۔ بھانجے بھتیجے تڑپ تڑپ کر آنکھوں کے سامنے دم توڑ رہے ہیں۔ دل میں ذکرِ خدا۔ اور زبان پر شکرِ خدا ہے۔ میزبان دشمن نکلے۔ اور مسلمان خون کے پیاسے۔ نانا کا کلمہ پڑھنے والی قوم جان کی خواہاں اور آبرو کی لینے والی ہے۔ ایک تن واحد سید مظلوم کے واسطے ہزاروں تلواریں میان سے باہر آگئی ہیں۔ جنگل کے چرند، پکھاسوں کے درند، ہوا کے پرند۔ فرات سے سیراب ہو رہے ہیں۔ مگر "اہل بیت" پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس گئے۔ معصوم بچے۔ امام۔ بھولی سیدانیاں خاموش ایک دوسرے کا منہ تک رہے ہیں۔ خیال تھا کہ آج ظالم ستم سے باز آجائیں، مگر تیسری رات بھی حسینی قافلہ پر صاف گزر گئی۔ اور میدان کربلا میں سوا جلتی بھلتی ریت اور لُو کے گرم جھونکوں کے کچھ میسر نہ آیا۔ صبح صادق کے سہانے وقت میں اِدھر آوازِ دھل نے باآوازِ بلند عارضی دنیا اور فانی حکومت کی بے ثباتی کا اقرار کیا اور اُدھر شہنشاہ لازوال کی طاقت و قدرت کا پیغام ہوا میں گونجا۔ پتے لرز گئے۔ زمین دہل گئی۔ اور فرات اس نام سے تھرا گیا۔ مگر نہ پسیجے دل تو ان ہی شقی القلب کلمہ گو مسلمانوں کے جو بے بس و بے کس امام کے قتل پر کمر بستہ تھے۔

فاطمۃ الزہراؓ کے پوتوں کی شہادت

جب خدائی پیغامبر علمدار کی سُریلی آواز نے علی الاعلان کہا ہے۔

اشھد ان محمد رسول اللہ

Marfat.com

تو صدائے حق سنتے ہی مصیبت ماروں کی آنکھ سے آنسو گر پڑے۔

شہر بانو آگے بڑھیں اور کہا۔

"امام عالی مقام! جس روز سے خدمت میں حاضر ہوئی آجتک کسی خواہش کا اظہار نہ کیا۔ مگر آج ایک درخواست پیش کرتی ہوں۔ قبول فرمایئے۔ اصغر میری ڈیڑھ سال کی امانت ہے۔ بیمار صغریٰ مجھ سے جیتے جی چھوٹ گئی۔ نہ معلوم زندہ ہے یا تڑپ تڑپ کر رخصت ہوئی۔ اب یہ لال بھی کوئی دم کا مہمان ہے۔ دودھ خشک ہو چکا۔ بدنصیب ماں اس قابل نہیں کہ اس کے لب تر کر دے۔ آواز روتے روتے پڑ گئی۔ ڈگر ڈگر آنکھیں اور حسرت بھری نگاہیں باقی ہیں۔ آنکھ کھولتا ہے اور اس توقع پر میرے چہرے کو دیکھ لیتا ہے کہ دودھ پلا دوں۔ اگر خلاف مرضی نہ ہو، تو میرے لال کی حالت دشمنوں کو دکھا دیجئے۔ اور اس اذان کا واسطہ۔ اذان والے کا صدقہ دے کر دو گھونٹ پانی اس کے حلق میں ڈلوا دیجئے۔ شاید اسی بہانے سے اصغر کی زندگی ہو جائے۔ تُو سخت ہے اور نرم رخسار مرجھا چکے ہیں۔ للہ اپنے دامن سے ڈھانک لیجئے۔ اور کلیجہ سے لگا لیں۔

اتنا کہہ کر ممتا کی ماری ماں نے اپنی اٹھارہ مہینے کی کمائی شوہر کی گود میں دی۔ بچہ نے محبت بھری نگاہ سے ماں کا چہرہ دیکھا۔ گویا وہ نگاہیں کہہ رہی تھیں کہ یہ میرے آخری لمحے ہیں۔ اپنی صورت دکھا دو اور میری دیکھ لو۔ اس محبت کی تہہ میں موت کھیل رہی تھی۔ ماں نے ایک دفعہ بچہ کو اور پیار کیا۔ اور امام عالی مقام باہر نکلے۔ بیوی کی التجا اپنی ماننا۔ بات کی پچ، کلمۂ حق کی حفاظت، رُک رُک کر قدم اٹھائے۔ اور قریب پہنچکر کہا۔

"کیوں ہنس رہے ہو۔ ڈرو خدا سے میرا مذاق نہ اُڑاؤ۔ کیا کہہ رہے ہو۔ خشکی نہیں ہے۔ آنکھیں کھولو۔ اور دیکھو یہ کیا ہے۔ یہ اُس شخص کے کلیجے کا ٹکڑا ہے جسکا دل

Marfat.com

سول تھا۔ جس کا کلمہ پڑھتے ہو یہ اس کے پیارے کا پیارا ہے۔ پہچانو یہ شہربانو
ی ۱۸ مہینے کی محنت اس کا وہ لال ہے جس کو دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی ہے۔ اِس کی
موت اُس کو بے موت مار دے گی۔ دیکھو تُو کے جھگڑے اس پھول سے لال کو بھلسا
رہے ہیں۔ تمہارا قصور وار میں ہوں۔ یہ معصوم بے گناہ ہے۔ اس کی ماں کا دودھ
خشک ہو چکا۔ اس لال پر تو وقت کا فاقہ ہے ایک گھونٹ پانی کا دیدو"

امام کی تقریر ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ حرملہ بن کامل کا تیر بچہ کے حلقوں
کے پار تھا۔ اصغر نے آنکھ کھولی، باپ کو دیکھا اور رخصت ہوا۔

امام، بچہ کا مردہ کلیجہ سے لگائے واپس آئے۔ اور کہا "لو بانو اصغر سیراب ہو گئے"
ماں نے ہاتھ پھیلائے کپڑا اٹھایا تو کربلا کا ننھا سا مہمان باپ کے کلیجے سے
چمٹا خون میں نہا رہا تھا!

بچوں کو گود میں لینے والی مائیں، ہمکتے بچوں کو کلیجہ سے چمٹانے والی مائیں،
شفقت بھری نظروں سے بچوں کو دیکھنے والے باپ، اور پھول سے بچوں پر
جان چھڑکنے والے باپ اس وقت کا اندازہ کریں کہ ماں باپ کا دل کیا کہہ رہا ہوگا۔
اصغر کی شہادت نے دونوں کا کلیجہ توڑ دیا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور خدا کا
شکر کیا۔ بڑے بچے علی اکبر سے اب ضبط نہ ہوا۔ اور چاہا کہ دشمنوں کو انکی سنگدلی
کا مزہ چکھاؤں میدان میں جانے کا قصد کیا تو ادب سے ہمت نہ پڑی۔ بدن پر ہتھیار
لگا کر گردن نیچی کئے باپ کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ جس باپ کی گود میں ابھی
ابھی ایک لال دم توڑ چکا ہے اس کے سامنے جوان شبیر کی وداع کیسی ہوگی۔
صاحب اولاد سمجھیں۔ امام کی آنکھ میں آنسو بھر آئے۔ بچہ کو کلیجہ سے لگا کر کہا۔
"تمہاری اجازت دینے والا میں نہیں ہوں۔ اس پھوپی سے اجازت لو۔
جس نے ہزاروں ارمانوں سے جوان کیا ہے۔ راتوں جس کے کلیجے پر اور دنوں

جس کے سینہ پر لوٹے ہو؟"

باپ کی یہ تقریر سُنکر اکبرؓ پھوپی کے پاس سرنگوں آکھڑے ہوئے۔ کچھ دیر خاموش رہیں۔ پھر ماتا کا جوش اُمڈا۔ بے تابانہ کلیجے سے لگایا۔ اور کہا "رَن کی تیاریاں ہیں؟ بسم اللہ کرو۔ باپ پر فدا ہونے کا یہی وقت ہے۔ چلو میں چلکر اجازت دلوا دوں گی۔"

دونوں پھوپی بھتیجے امام کے پہلو میں آکھڑے ہوئے تو سید الشہداء نے بہن سے کہا "تمھارے صاحبزادے میدان جنگ کی اجازت کے واسطے اصرار کر رہے ہیں۔ بتاؤ کس دل سے اجازت دیدوں۔ ابھی اصغرؑ کے آنسو چہرے پر موجود ہیں۔ آخر انسان ہوں۔ پہلو میں دل ہے پتھر نہیں۔ تم ان کی پھوپی بھی ہو۔ ماں بھی ہو۔ بھائی کا لحاظ بھتیجے کی محبت چھوڑ کر۔

"بیٹی ہو تم علی کی تم ہی فیصلہ کرو۔"

بھائی کی مصیبت بھتیجے کی محبت دونوں باتیں آنکھ کے سامنے تھیں۔ علی اکبر نے ایک نظر پھوپی کی طرف اُٹھائی۔ اس میں نہ معلوم کیا تھا۔ التجا تھی۔ منت تھی۔ خوشامد تھی کہ اس نگاہ نے پھوپی کو رضامند کر لیا۔ اور اُنھوں نے کہا۔ "شوقِ شہادت رُکنے والا نہیں۔ میں نے دل پر پتھر رکھ لیا۔ تم مرد ہو۔ خدا کا نام لے کر اجازت دو۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔"

علی اکبر کا چہرہ بشاش ہوگیا۔ تو پھوپھی نے کہا۔ ماں کے گلے لگو۔ میں خدمت گذار تھی۔ حقدار یہی ہے۔ جس نے دودھ نہیں خون جگر پلایا۔ اور حسرت بھری نظروں سے فیصلہ کی منتظر ہے۔ اجازت اس سے لو۔ جس کی کوکھ اُجڑتی ہے۔ حکم اس کا لو۔ جس کا پھول دیکھتے ہی دیکھتے مرجھا گیا۔ اور جوان شبیر آنکھوں سے اُٹھتا ہے۔ جھک جاؤ اور دادی کی روح کا واسطہ دے کر

Marfat.com

اذن لو۔ بسم اللہ کرو۔"

ماں گم سم تھی۔ بچہ جھکا تو سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ دل اُمنڈ آیا۔ تو منہ پھیر کر روئیں مگر آنسو خشک ہو چکے تھے۔ ضبط کیا۔ اور کہا "بسم اللہ سدھارو۔"

کربلا کے پیاسے مہمان کا لال میدان میں پہنچا۔ تو لعینوں نے کہا۔

"علی اکبر! جوانی پر رحم کرو۔ بڑھیا ماں اور بدنصیب پھوپھی تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔ حسین کی پرواہ نہ کرو۔ باپ تھوڑی دیر کا مہمان ہے۔ کیوں اس کا ساتھ دیتے ہو۔ دنیا کی بہاریں دیکھو اور دیکھنے دو۔ یزید کی بیعت قبول کرو۔ اور ادھر آ جاؤ۔"

بجلی کی طرح یہ الفاظ تمام جسم میں دوڑ گئے غصہ کے مارے تھر تھر کانپنے لگے۔ اور کہا

"شبیر کا شکوہ دلِ شبیر کے آگے قرآں کی بدی کرتا ہے تفسیر کے آگے۔"

"تین دن کا بھوکا پیاسا ہوں۔ مگر تم جیسے کمینوں کو خون میں نہلا کر دنیا سے سرخرو جاؤں گا۔"

ایک منفقہ گروہ امام کے اس چاند پر ٹوٹ پڑا۔ منقذ بن مرہ عبدی کا نیزہ کلیجہ کے پار ہو گیا۔ امام عالی مقام بچہ کی لاش اُٹھا کر لائے۔ اور سپرد زمین کی۔

فاطمۃ الزہرا رض کے نواسوں کی شہادت

نند بھاوج بھوکی پیاسی کھڑی اللہ اللہ کر رہی تھیں کہ دیکھئے کیا ظہور میں آتا ہے۔ کہ اکبر کی لاش نظر آئی۔ مصائب کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور صبر و شکر کا وقت تھا۔ دونوں کی دونوں دوڑ کر لاش سے لپٹ گئیں۔ دشمن فتح کا نقارہ اور طبلی کا ڈھول بجا رہے تھے۔ امام نے خود ہتھیار زیب تن کئے تو لاش سے جدا ہو کر ادھر آئیں۔ یہ عجیب سماں تھا اور اس وقت وہ واقعہ پیش آتا ہے جو بہن بھائیوں

Marfat.com

کی سچی محبت کا قیامت تک نمونہ چھوڑ گیا۔

خواہر امام بیوی زینب نے اپنے دونوں بچوں عون و محمدؑ کو علیحدہ بلایا اور خاموش نگاہ سے جس میں تعجب اور ناخوشی شامل تھی۔ ان کو دیکھا، بچوں کی بساط ہی کیا تھی۔ دس گیارہ برس کی عمریں ناز و نعم کے پلے، سیدھے سادھے۔ ماں کے تیور دیکھکر سہم گئے۔ اور ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگے۔ "غلاموں سے کیا قصور ہوا۔"

ماں: "تم کو یہ معلوم نہیں کہ کیا قصور ہوا۔ میں تو فقط دیکھ رہی تھی کہ دیکھوں تم کو خود بھی کچھ خیال آتا ہے یا نہیں۔"

بچے: "ہم کو تو جو حکم دیجئے فوراً اس کی تعمیل کریں۔"

ماں: "میں حکم دوں، تم کو خود کسی بات کا خیال نہیں۔"

بچے: "اماں! ہم نہیں سمجھے کہ آپ کیا فرما رہی ہیں۔"

ماں: "تم دیکھ رہے ہو کہ تمام عزیز امام پر قربان ہو گئے، ماموں کی بھری کھیتی آج اُجاڑ ہو گئی۔ علی اکبر آج شہید ہو چکے۔ تم سے چھوٹا بھائی اصغر شہادت کا درجہ حاصل کرے۔ اور تم دونوں زندہ رہ کر مجھے شرمندہ کرو۔ جب بھائی کے بچے نہ رہے تو اب میں تم کو کن آنکھوں سے دیکھکر خوش ہوں۔ تم نے اس میدان کربلا میں، جہاں سب بچے کام آ گئے۔ باپ اور ماں کی عزت پر پانی پھیر دیا۔ ایک وہ بچے ہیں جو ماں باوا کا نام روشن کریں۔ ایک تم ہو کہ میرے سامنے ہٹے کٹے جیتے جاگتے کھڑے ہو۔"

ماں کی یہ شکایت اور غصہ معصوموں کے دلوں پر تیر کی طرح لگا۔ تھرا گئے اور کہنے لگے۔

"ہم تو خود اسی فکر میں بیٹھے ہیں۔ کبھی ماموں جان کا منہ تکتے ہیں۔ کبھی آپ کو دیکھتے

ہیں کہ شاید اب بھی ہم کو حکم مل جائے۔ لیکن نہ اُنھوں نے ہم کو اس قابل سمجھا نہ آپ نے، ہم یہی باتیں کر رہے تھے۔ ہماری تقدیر ایسی کہاں شاید ماموں جان نے ہم کو امیر کی اولاد نہ سمجھا جو ہمارا ہدیہ قبول فرماتے۔"

بچوں سے یہ باتیں سُنکر ماں کا دل بڑھ گیا۔ اور سمجھ گئیں کہ میرے لال مجھکو سرخرو کریں گے۔ لیکن بچوں کے سامنے اسی طرح خاموش رہیں۔ اور کہنے لگیں

"سوچ رہے ہو گے، کیا خبر ہے۔ مجھ سے یا ماموں سے تو پوچھا نہیں۔"

بچے!" چلئے تو اب آپ ہم پر اتنا رحم کیجئے کہ ماموں جان سے اجازت دلوا دیجئے دیکھئے بڑے بھائی جان (قاسم) ساتھ ساتھ پھر رہے ہیں۔ اب کے شاید وہ جائیں گے ہم سب سے ہی پیچھے رہ گئے۔"

ماں:" تمھاری تقدیر، کیوں اب تک سوتے رہے۔ چلو میں چل کر کہتی ہوں شاید مان لیں۔"

آگے آگے ماں پیچھے پیچھے دو چاند کے ٹکڑے۔ عمر بھر کی کمائی۔ گیارہ برس کی محنت۔ اللہ اللہ کیا وقت ہے۔ اسی دن کو پال پوس کر تیار کیا تھا کہ دشمنوں کی تلواریں ان مہ پاروں کو خاک میں ملائیں۔ بھائی کی عاشق زار بہن پاس آئی اور کہا

"بھیا! ایک بات کہنی ہے۔"

امام:" کہو کیا کہتی ہو۔"

زینب:" میری شرم اس وقت تمھارے ہاتھ میں ہے۔ فاطمہ کی اولاد۔ اور علی کے خاندان پر اس سے زیادہ مصیبت کا وقت اب کیا آئے گا۔ میں اس وقت کسی لایق نہیں ہوں۔ طاقتور نہیں کہ ظالموں سے ظلم کا بدلہ لوں۔ مرد نہیں کہ فرات سے مشک بھر لاؤں۔ اور پیاسوں کے حلق کو تر کر دوں، یہ وقت کیا سدا رہنے والا ہے اور تھوڑی دیر کی آزمائش ہے۔ جس کی تقدیر میں جو لینا ہے وہ

Marfat.com

لے لے۔ بھائی مجھکو کیوں سعادت سے محروم کرتے ہو۔ کل میدان قیامت میں اماں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ اگر پوچھ بیٹھیں کہ "زینب! میدان کربلا میں بھائی کی کیا مدد کی" تو کس منہ سے جواب دوں گی۔ میرے بھائی مظلوم بہن کی شرم رکھ لے۔ اور یہ دو بچے موجود ہیں ان کو قبول کر اور میدان کی اجازت دے تو کہہ سکوں گی کہ "اماں میرے پاس جو کچھ تھا وہ قربان کر دیا۔"

بہن کی تقریر سے امام کے آنسو نکل پڑے، اور کہا:۔

"زینب کیا کہہ رہی ہو۔ ان پھولوں کو اچھی طرح کھلنے دو۔ یہ اپنی خوشبو سے دنیا کو معطر کریں گے۔ ان کی عمریں مرنے کی نہیں ہیں۔ میرا کلیجہ ان کو دیکھ کر کٹ رہا ہے۔ انھوں نے ماموں کے ہاں بھوک پیاس کی جو تکلیف اٹھائی وہی کیا کم ہے۔ زینب میں تم سے تمہارے بچوں سے خود ہی شرمندہ ہوں کہ میں نے بہن بھانجوں کی خاطر تو درکنار اور انھیں مصیبت میں پھنسا دیا۔ اب میرے زخم پر نمک نہ چھڑکو۔"

بہن دوڑ کر بھائی کے گلے سے لپٹ گئی۔ گلے میں ہاتھ ڈالدئے اور کہا۔

"امام میں بہن ہوں۔ فاطمہ اور علی تیرے ماں باپ کی کنیز ہوں۔ میں یہ وقت دیکھنے کے واسطے زندہ رہ گئی تھی۔ حسین اگر میرے بچے تمہاری نگاہ میں اس لایق نہیں ہیں، تو اماں باوا کی پاک روحوں کا صدقہ بے کس بہن کو خالی نہ پھیرو۔ اصغر اور اکبر کے بعد اب میں ان کو لیکر کیا کروں گی۔ ان کو اجازت دو اور مجھ کو جلالو۔"

بہن کے یہ الفاظ اس مصیبت خیز حالت میں امام کے واسطے قیامت تھے۔ ہچکی بندھ گئی۔ بہن کو کلیجہ سے لپٹا لیا۔ اور کہا۔

زینب! کیا کہہ رہی ہو۔ دنیا تم جیسی بہن پر فخر کرے گی۔ سادات تمہارے

نام پر ناز کریں گے۔ اور مسلمان تمہارے کارنامے سر آنکھوں پر رکھیں گے۔

عون و محمد میرے کلیجہ کے ٹکڑے ہیں۔ اکبر و اصغر سے زیادہ ہیں۔ دل گوارا نہیں کرتا کہ اپنے جیتے جی ان دونوں کا صدمہ اٹھاؤں۔ یہ چہرے اس قابل نہیں ہیں کہ خون میں نہا جائیں۔ یہ کونپلیں ابھی اچھی طرح پھوٹیں بھی نہیں۔ تم تو ڈٹی ہو۔ تمہاری خوشی، میں انکار نہیں کرسکتا۔ بسم اللہ بھیجو"

خوشی کے مارے اُچھل پڑیں۔ دونوں سے کہا "جھکو اور ماموں کا شکر بجالاؤ" دونوں ادب سے سرنگوں ہوگئے۔ تو امام نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھے۔ اور کہا "تمہاری ماں کی یہی خوشی ہے تو عون و محمد جاؤ۔ اور جو داغ حسینؑ کی تقدیر میں لکھا ہے دے جاؤ" دونوں کو خوش خوش لے کر آئیں۔ ان کے کپڑے بدلے اپنے ہاتھ سے ہتھیار لگائے۔ اور کہا "خدا حافظ"

اسی ماں کے دل سے پوچھنا چاہیئے کہ کیا گذری ہوگی۔ جو بچوں کو ظالموں کے واسطے دولھا بنا رہی تھی۔ بچے تیار ہوئے۔ تو گو ضبط کر رہی تھیں۔ مگر دل بگڑ گیا۔ دونو کو گلے لگایا۔ اور کہا "دیکھو میں یہاں بیٹھی تم کو دیکھ رہی ہوں۔ گھبرانا نہیں تھوڑی دیر کا واسطہ ہے۔ تمہاری نانی اور نانا سب تمہارے واسطے جام کوثر لئے تیار کھڑے ہیں۔ ہمت کی دیر ہے۔ مجھ سے بہتر چاہنے والے ہاتھ پھیلا رہے ہیں۔ ماں کی گود سے چھوٹ کر ان گودوں میں پہنچو گے۔ جہاں ابدی راحت اور ہمیشہ کا آرام ہوگا۔

لو جاؤ۔ فی امان اللہ۔

میری ہی تم میں جان ہے گو بے حواس ہوں
تم مڑ کے دیکھ لو کہ میں پردے کے پاس ہوں"

بچوں کا میدان میں پہنچنا تھا کہ اعدا کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ اور کہنے لگے۔

Marfat.com

"یہاں تک نوبت آگئی، ہم جیسے بہادروں کے مقابلہ میں یہ بچے آنے لگے۔ جن کے دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے، تم کون ہو۔ امام سے کیا تعلق ہے؟ کیوں خواہ مخواہ اعمالنامے میں اپنا خون لکھواتے ہو۔ ہم کو ہاتھ اُٹھانے سے شرم آتی ہے۔ عباس کہاں ہیں ان کو بھیجو۔ کوئی اور مرد بھی ہے، یا سب مرگئے۔ تم ہی رہ گئے ہو۔ ہم نے تو بڑا شہرہ سُنا تھا وہ جاں نثار کدھر گئے۔ تم کون ہو؟"

بچے لعینوں کی مسکراہٹ پر غصہ کے مارے دانت چبانے لگے۔ مگر بچے تھے معصوم بھولے بھالے۔ کہنے لگے ہم "امام کے بھانجے ہیں اُن کے جاں نثار خادم۔ تم دیکھنا ہم تم میں سے کتنوں کو جہنم میں پہنچاتے ہیں"۔

اعداء "کون سی بہن کے بیٹے ہو۔ کیا تمہاری ماں بھی ساتھ آئی ہیں۔ یا فقط تم ہی گلا کٹانے آئے ہو"

بچے "تم کو ہماری ماں سے کیا مطلب۔ ہم تمہارے سامنے نہیں کہنے کہ کون سی بہن کے بیٹے ہیں"

اتنا کہہ کر بچوں نے حملہ کیا۔ اپنی بساط کے موافق خوب لڑے۔ لیکن کہاں دو بچے اور کہاں یہ انبوہ، تھوڑی دیر بعد دونوں کی پاک روحیں جنت میں داخل ہوئیں تو امام عالی مقام بچوں کی لاشیں خیمہ میں لائے۔ اور بہن سے کہا۔

تو زینب تمہارے لال دولھا بن کر آگئے۔ کہو ارمان پورا ہو گیا"

بچوں کا چہرہ دیکھتے ہی دُنیا آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ مگر خاموش تھیں۔ چکر آئے سنبھلیں۔ اور پھر بچوں کو دیکھ کر کہا۔

"بھائی میرے بچے ناواقف تھے۔ کوئی بات لڑائی میں خلاف جنگ تو نہیں کی یہ لڑرہے تھے۔ میں دیکھ رہی تھی۔ نانا کی اُمت نے میرے سامنے میرے کلیجہ کے ٹکڑے تیروں سے چھیدے ہیں۔ میرے بچے مجھ پر فدا ہوئے"

Marfat.com

اب تک دُور سے کھڑی دیکھ رہی تھیں اور دونوں لاشیں جن کو اپنے ہاتھ سے موت کے واسطے تیار کیا تھا۔ گلے کٹائے سامنے پڑی تھیں۔ بدن سے خون جاری تھا۔ اور پیاس کے مارے زبانیں باہر نکلی پڑتی تھیں۔ صورتیں دیکھتے دیکھتے دفعتہً ایک جوش اُٹھا۔ آگے بڑھتی تھیں کہ حیا نے سیدانی کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔ شہربانو نے امام کو بلا کر کہا، "باہر چلے جاؤ۔ بدنصیب ماں کو اتنا موقعہ دیدو کہ بچوں سے لپٹ لے جو کہنا ہے وہ کہہ لے۔ جو سُنتا ہے وہ سُن لے۔"

امام باہر گئے تو دونوں کے بیچ میں خود لیٹ گئیں۔ سیدھا ہاتھ بڑے کے سینے پر اور اُلٹا چھوٹے کے سینہ پر رکھا۔ اور کہا۔

"ماں کے گھر سے بچھڑ کے پیارے رخصت ہونے والے مہمانو اُٹھو، ماں کا کلیجہ ٹھنڈا کر دو۔ آؤ لپٹ جاؤ۔ ذرا سی خفگی سے تو کانپ گئے تھے۔ اب اتنی دیر سے رو رہی ہوں۔ آنکھ کھولو۔ ماں پر فدا ہونے والے لاڈلو! آنکھ کھولو۔ نانا جی سے میری شکایت نہ کرنا۔ میں مجبور تھی۔ دریا پر دشمنوں کا پہرا ہے۔ پیاس میں تڑپتا میدان میں بھیجدیا۔ میں ظالم ماں نہیں ہوں۔ اپنے بچوں کی عاشق ہوں جب تک ہوں زندگی کے دن کاٹوں گی۔ مگر پیارو تمہارے بعد خوشی حرام ہوگئی۔ لو جاؤ ماں کے گھر سے رخصت ہو۔ اکیلے قبروں میں آرام کرو۔ عون اس جنگل بیابان میں میرا بچہ مخمل ڈرے نہیں۔ اس کو اپنی چھاتی سے لگا لو۔ ماں کی پرورش ختم ہوگئی۔ اب تم ہی اس کے وارث ہو ایسا نہ ہو ڈر کر اچھل پڑے۔ دیکھو کیسی بے خبر نیند سو رہا ہے۔ لو جاؤ سدھارو۔ خدا حافظ۔"

المختصر ایک تین گھنٹے میں گاجر مولی کی طرح یزیدی سفاکوں نے فاطمہ کے جگر پاروں کا صفایا کر دیا۔ ترسا ترسا کر مارا۔ تڑپا تڑپا کر مارا۔ دکھا دکھا کر اور جلا جلا کر۔

Marfat.com

سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کے لخت جگر کی شہادت

جب دسویں محرم کا آفتاب نصف النہار کے قریب پہنچا ہے۔ اور پتے تک جھلس چکے ہیں تو وہ وقت آیا۔ جب سیدانیوں کے سر پر سوا "شہید کربلا" کے دوسرا مرد نہ رہا۔ اس وقت "مسافر کربلا" نے عورتوں کی طرف دیکھا اور کہا۔

"اب میں جاتا ہوں۔ اگر خدا کو منظور ہے تو قیامت کے روز ملاقات ہوگی فاطمہ کے گلفام سب خاک میں جا سوئے اور علی کی نسل تمام منقطع ہو چکی حضرت ایک عابد بیمار ہیں۔ اگر یہ زندہ رہے اور خدا نے کبھی تم کو چین دیا تو نانا کی امت تک میرا یہ پیغام پہنچا دینا۔

"مسلمانو! دنیا کی کسی حالت کو قرار نہیں۔ اور کسی کیفیت کو ثبات نہیں۔ جو آج تخت نشین ہے۔ وہ کل خاک نشین ہوگا۔ مدینہ طیبہ میں جس کی سواری خدا کا پاک رسول تھا۔ میدان کربلا میں اس کو مصیبت ناک گری میں تین دن اور تین رات پانی کا قطرہ تک میسر نہ ہوا۔ اس حالت اور آفت میں معصوم بچوں اور جوان شیروں نے آنکھوں کے سامنے دم توڑا۔ برابر کے بھائی اور ہمیشہ کے رفیق چھوٹے۔ سیدانیاں بے یار و مددگار ہیں۔ اور خدا کے سوا ان کا کوئی وارث نہ رہا۔ میرا پاؤں استقلال سے نہ ڈگمگایا۔ خدا کا سچا وعدہ۔

ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میری آنکھ کے سامنے رہا۔ زندگی کا زمانہ عارضی جو

موت کی تہ میں چھپا ہوا ہے۔ بچوں کی موت میں میرے روبرو رہا۔ اور حیات ناپائیدار کی فانی خوشیاں جن کا زوال فنا کے ساتھ وابستہ ہے۔ مجھ سے پوشیدہ رہیں۔ میں نے ایک ظالم اور زانی کی بیعت سے انکار کیا۔ اور گوارا نہ کیا کہ کلمہ گو مظلوم اور اُمت بےکس کی عصمت مآب خواتین میری موجودگی میں ایک جفاکار کی رعیت ہو جائیں۔ مجھے اپنے نانا اور تمہارے رسول کو منہ دکھانا تھا میرا استقلال لحہ بہ لحہ بڑھتا رہا۔ اور جس کو دشمن پرطاؤس سمجھتے تھے۔ وہ کوہ پیکر نکلا۔ بھوک کی تکلیف استقلال کے رنگ میں میرے واسطے نعمت تھی اور پیاس کی اذیت ثابت قدمی کی دُھن میں میرے لیئے موجب تسکین۔

بیبیاں جب اپنے شیر خوار بچوں کو کلیجہ سے لگا کر دودھ پلائیں تو حسین بیکس کی مصیبت کو فراموش نہ کریں۔ جس کی گود میں اصغر جیسا لال دودھ کو ترستا اور پانی کو پھڑکتا، باپ کی صورت کو تکتا ہوا ختم ہو گیا۔ مُسلمان جب اپنے جوان لڑکوں کو دولھا بنا کر ان کی دُلھنیں پالکیوں میں سے اُتاریں۔ تو اس وقت کا خیال رکھیں کہ رسول کا نواسہ کس طرح جوان شبیر علی اکبر کی لاش کو میدان سے اُٹھا کر لایا اور زمین کے سپرد کر دیا۔ قوم جب اپنی بیویوں اور بہنوں کی ناموس کا احترام کرے تو یہ بھی یاد کرے کہ حسین کی ننگ و ناموس کا والی کربلا میں خدا کے سوا کوئی نہ تھا"

ڈھول پر ڈھول بجنے لگا، اور سید الشہداء میدان جنگ میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا:-

"آج جمعہ کا روز ہے مُسلمان اس وقت فریضہ نماز کی تیاریاں کر رہے ہونگے تم بھی کلمہ گو ہو۔ اور آج اس وقت جس کا کلمہ پڑھتے ہو اس کے نواسے کو

Marfat.com

مارنے کی تیاری میں مصروف ہو۔ اتمام حجت میرا فرض ہے، اور وہ اس لئے کہ کل قیامت کے روز میرے ذمہ کوئی الزام نہ آجائے۔ اس لئے اگر اب بھی تم اپنی شرارت سے باز آؤ۔ اور مجھ کو رستہ دو تو میں اہلبیت رسول کو لے کر چلا جاؤں" لعین شیطنت پر کمربستہ تھے۔ کیا اثر ہو سکتا تھا۔ لڑائی شروع ہوئی، اور کچھ دیر بعد امام عالی مقام پر چاروں طرف سے نرغہ ہوا اور آپ زخمی ہو کر نیچے گرے۔ شمر نامی ایک شخص اس غرض سے آگے بڑھا کہ سرتن سے جدا کرے۔ آپ نے اس سے فرمایا۔

"دیکھ کیا وقت ہے۔ مسلمان اس وقت مسجدوں میں نمازیں پڑھ رہے ہوں گے۔ اور تم مجھے قتل کر رہے ہو۔"

شہادت امام کی اُمید میں تمام رات فوج نہ سوئی تھی۔ اس گفتگو کا کیا نتیجہ ہو سکتا تھا۔ سر جدا کر دیا گیا۔ اور فتح کے نقاروں کی آواز نے بیویوں کو شہادت حسینؓ کا پیغام پہنچا دیا۔

اب دشمن لوٹ مار کے واسطے خیموں میں داخل ہوئے۔ وہ بیویاں جنھوں نے غیر مردوں کی صورت نہ دیکھی تھی ظالموں کی آمد سے کونوں میں دبک دبک کر بیٹھ گئیں۔ تلواروں کی چمک اور ہتھیاروں کی دمک نے دل دہلا دیئے۔ ایک طرف عابدؓ بیمار نظر آئے۔ تو صلاح ہوئی کہ ان کو بھی قتل کر دو اور سادات کی نسل کا قطعاً خاتمہ کر دو۔ کچھ دیر تک بحث رہی۔ اور آخر فیصلہ ہوا کہ مریض کو زندہ گرفتار کر کے یزید کی خدمت میں بھیجدو۔ وہاں سے جو مناسب ہو گا فیصلہ ہو جائے گا۔

اہل بیت کے خیمہ میں تو کیا گھروں میں بھی اگر تلاشی لی جاتی تو مال و متاع برآمد نہ ہوتا۔ سیدانیوں پر پہرے بیٹھ گئے، اور خدا کی پاک بندیاں

Marfat.com

رسول زادیاں اس وقت ظالموں کی حراست میں تھیں۔

خانماں برباد قافلہ

فتح کی خوشی میں عبید اللہ ابن زیاد۔ شمر ذی الجوشن بغلیں بجاتے پھرتے تھے۔ ایک رات اسی میدان میں قیام کیا۔ اور جشن منائے۔ جب جنگ کی تکان رفع ہوئی تو پیغمبر زادیاں اور عابد بیمار اونٹوں پر سوار کیے گئے۔ سب سے آگے امام عالی مقام کا سر ایک کجاوے میں تھا، اور پیچھے پیچھے یہ لُٹا ہوا قافلہ، جو اپنے سردار سے بچھڑ گیا تھا۔ خدا کا شکر کرتا۔ اعدا کی نگرانی میں چلا جا رہا تھا۔

دمشق جہاں یزید کا دار الخلافہ تھا، میدان کربلا سے دس گیارہ منزل تھا۔ اور فتحمند مار امار راستہ طے کر رہے تھے۔ جن نگاہوں نے سوائے چند اشیائے دنیا کی کائنات کا کبھی مشاہدہ ہی نہیں کیا۔ اب ان کو سب کچھ دیکھنا پڑتا ہے اُن کے کلیجے زخمی تھے۔ ان کی زندگیاں ختم ہو چکی تھیں۔ جسم موجود تھے۔ اور روحیں قریب قریب نکل چکی تھیں۔ قیدیوں کی خوراک کا جو دستور ہے وہ دونوں وقت انکو تھوڑی تھوڑی غذا اور قدرے قلیل پانی مل جاتا تھا۔ لیکن یہ بھی اُنکے حلق سے نہ اُترتا۔ ننھے ننھے بچوں کا پیاس کے مارے تڑپ تڑپ کر جان دینا۔ جوانوں کا "العطش العطش" کہہ کر سر دھننا اور مرنا ایسے واقعات نہ تھے کہ ائیں اور پھوپیاں بہنیں اور بیویاں آسانی سے فراموش کر دیتیں۔ یہ صدمہ دل پر ایسا بیٹھ چکا تھا کہ صرف موت جسد خاکی کو بیجان کر کے بھلا سکتی تھی۔ بجائے اس کے کہ وقت کے گزرنے سے اس صدمہ میں کمی ہوتی ترقی ہو رہی تھی، کسی ایک پر مصیبت نہ تھی، ہر ایک کی مصیبت دوسرے سے زیادہ تھی۔ مگر ان مصیبت

Marfat.com

ماروں کی اس حالت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ عرصہ بعد ایک روز امام زین العابدین نے دیکھا کہ ایک قصائی بکرے کو پانی پلا رہا ہے۔ جب وہ پانی پلا چکا، اور خوب اچھی طرح بکرا سیر ہو گیا تو اس نے ذبح کیا۔ آپ یہ دیکھکر بے اختیار ہو گئے اور اس قدر روئے کہ بہت سے آدمی جمع ہو گئے۔ پوچھا تو کہا: "دشمنوں نے میرے باپ کو بکرے کے برابر بھی نہ سمجھا۔ قصائی جانور ذبح کرتا ہے تو پہلے پانی اچھی طرح پلا دیتا ہے۔ لیکن میرے ماں باپ کو تین دن بھوکا پیاسا رکھ کر ظالموں نے ذبح کیا۔"

سیدہ کے بعد دُنیا میں جس شخص کی گریہ وزاری مشہور ہے۔ وہ امام زین العابدین ہیں کہ باپ کے بعد بھی لمحہ بھر بھی چین نہ اُٹھایا۔ ہر وقت کربلا کی مصیبت آنکھ کے سامنے تھی۔ ایسی حالت میں ہر متنفس صدمات کے انتہائی مدارج طے کر چکا تھا کسی کی مصیبت کسی سے کم نہ تھی۔ امام زین العابدین کی حالت اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل رحم تھی کہ بیماری نے بالکل خاتمہ کر دیا تھا۔ نقاہت کی یہ حالت تھی کہ وہ آسانی سے اونٹ پر چڑھ سکتے تھے۔ نہ اُتر سکتے تھے۔ پانچ آدمیوں میں ایک اونٹ تھا۔ جن میں ایک ایسا بیمار جس سے بیٹھا بھی نہ جائے۔ گرمی کی یہ کیفیت کہ الامان والحفیظ۔ ریگستان کا سفر، سر پر آفتاب، لُو کے جھکڑ۔ خدا دشمن کو یہ وقت نہ دکھائے۔ جو دوستوں نے دیکھا۔

دمشق سے دو منزل ادھر، جب فتحمند مصیبت ماروں کو لئے مقام قیلوم پر پہنچے ہیں تو نقاروں کی آواز اور فتح کے نعروں نے زمین آسمان ایک کر دیا۔ رعیت اپنے بادشاہ کے اقبال کو جو جلد پامال ہونے والا تھا دیکھنے باہر نکلی۔ عورتیں کوٹھوں پر، بچے سڑکوں پر، بڈھے ٹیلوں پر تماشہ دیکھنے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ نظر بندوں کا ناقہ جس میں آدمی کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ سامنے آ

Marfat.com

سواریاں گیا۔ یہ خود اونٹ بھی قابل رحم تھا۔ جس پر سر سے پاؤں تک حسرت و بیکسی برس رہی تھی۔ اس میں بجائے مرد قیدیوں کے ان عورتوں کا نظر آنا جو اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھیں۔ نہایت درد انگیز منظر تھا۔ تماش بین عورتوں میں سے ایک کو رحم آیا اور اس نے بآواز بلند بے دردوں کے ظلم اور مظلوموں کے صبر سے متاثر ہو کر کلمہ پڑھا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کلمہ پڑھنے والی کو یہ نہ معلوم تھا کہ جس کا کلمہ پڑھ رہی ہوں۔ یہ اسی کی ناموس حراست میں ہے! رسول زادیوں نے یہ آواز سنتے ہی اپنے منہ اور زیادہ چھپا لئے۔ بیلاقی عورتیں صورتیں دیکھنے کی مشتاق ہوئیں۔ مگر نہ دیکھ سکیں۔ جب قافلہ سارا گزر گیا ہے تو کلمہ پڑھنے والی کا اشتیاق حد سے زیادہ گزرا نیچے اُتری اور آہستہ آہستہ قافلہ کے ساتھ تھوڑی دُور چلی۔ اور فتحمندوں سے پوچھا "یہ کون لوگ ہیں۔ اور اس طرح منہ کیوں چھپائے ہوئے ہیں۔ فتح و شکست خدا کے ہاتھ ہے۔ جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے۔ مگر یہ عورتیں اس طرح سے کیوں نکلیں کہ اپنی جھلک تک کسی کو نہ دکھائی۔ ہم نے سوچا تھا کہ ثواب کے واسطے ان قیدیوں کو کچھ کھلاتے پلاتے۔ مگر وہ قصہ تو رہا الگ سیدھے منہ بات تک تو کرتیں ہی نہیں"

ایک آدمی نے جواب دیا "دمشق کی دیواریں تھوڑی دور آگے بڑھ کر نظر آ رہی ہیں اس پڑاؤ پر ہمارا قیام اس غرض سے ہو گا کہ اپنے لباس اور ہتھیار وغیرہ درست کریں۔ پڑاؤ کچھ دور نہیں ہے۔ تو چلی چل وہاں ان سے پوچھ لیجو۔ اگر یہ لوگ نہ بتائیں گے تو پھر ہم بتا دیں گے۔ مگر پوچھ کے دیکھ تو سہی کہتے کیا ہیں۔"

Marfat.com

عورت: "تمہارا بتانے میں کیا نقصان ہے۔ اور مجھے ایسے پوچھنے کی کیا اشد ضرورت ہے۔ بتاتے ہو بتاؤ۔ نہیں بتلاتے نہ سہی۔"

مرد: "یہ رسول کے نواسے حسین کے بال بچے ہیں۔ اور بیچ کے اونٹ پر انہی کا سر تھا جو دسویں تاریخ کو میدانِ کربلا میں ہم نے اس لیے علیحدہ کیا کہ انھوں نے ہمارے خلیفہ کی نافرمانی کی اور بیعت سے انکار کیا۔"

عورت اتنا سنتے ہی سناٹے میں رہ گئی۔ ایک آہ کی۔ اور بیہوش ہوگئی۔ ہوش آیا۔ تو قافلہ نکل چکا تھا۔ اٹھی اور وہی کلمہ پڑھتی ہوئی بے تابانہ دوڑی۔ جب قافلہ پڑاؤ پر اتر چکا ہے اور رسول زادیاں ایک درخت کے نیچے بیٹھی اپنی حالت اور خدا کی قدرت کو سوچ رہی تھیں کہ عورت سامنے آئی۔ اس کی پہلی خواہش یہ تھی کہ وہ سر کی زیارت کرے۔ مگر افسر ذمہ دار نے اجازت نہ دی۔ تڑپتی ہوئی اس لٹے ہوئے قافلہ میں پہنچی۔ بی بی زینب نے ایک تعجب انگیز نظر اس عورت پر ڈالی، اور منہ پھیر لیا۔ عورت بغیر کچھ بات کیے گھر واپس آئی۔ اس کی آنکھ میں آنسو تھے اور اس کا دل کبوتر کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ جس طرح اور جتنا کچھ بھی ہو سکا تھوڑا بہت سامان تیار کیا۔ لے کر حاضر ہوئی اور کہا:

"بی بی میں کسی قابل نہیں ہوں۔ تم رسول اللہ کی جان اور ہمارا ایمان۔ اگر اپنے کرم سے قبول کر لو۔ تو میں مردہ جی جاؤں گی۔"

زینب: "تم کون ہو۔ کیا نام ہے۔ ہم سے کیا ہمدردی ہے۔ اور کیوں ہے؟"

عورت: "مسلمان ہوں۔ "اہلبیت" کی عاشق رسول اللہ کی کنیز مدینہ سے آکر عمر اسی امید میں بسر کی ہے کہ ایک دفعہ وہ پاک صورتیں پھر خواب میں دیکھ لوں۔ تمھاری صورت بی بی فاطمہ سے مل رہی ہے، خدا اور

اُس کے رسول کا واسطہ سچ بتاؤ تم اُن کی کون ہو؟"

زینب:- "تم نے بی بی کو کہاں دیکھا تھا؟"

عورت:- "مدینہ منورہ زیارت کے واسطے گئی تھی۔ دو سیانے بچے کھیل رہے تھے۔ ایک بچی گود میں تھی۔"

زینب:- "میں اُن کے پاس مدتوں رہی ہوں۔ ان کی لونڈی ہوں۔"

عورت پر ایک خاص وجد کی حالت طاری ہوئی اور اس نے ایک چیخ ماری اور کہا۔

"تم زینب تو نہیں ہو؟ رفتار میں گفتار میں عادات میں اطوار میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں تم بی بی فاطمہ معلوم ہوتی ہو۔"

یہ کہہ کر عورت نے قدموں پر سر رکھ دیا۔ تو زینب کی آنکھ سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ سر اُٹھا کر اس کے واسطے دُعائے مغفرت کی۔

قافلہ کا کوچ شروع ہوا۔ فتح کے شادیانوں نے زمین آسمان سر پر اُٹھالیا فتحمندوں کی مارے خوشی کے باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ اُچھلتے کودتے دمشق میں داخل ہوئے تو سینکڑوں مرد عورتیں اور بچے تماشہ دیکھنے کھڑے ہو گئے زینب اور شہربانو دونوں نند بھاوجوں نے اپنے چہرے رداؤں میں چھپائے اور صبر و شکر کی دُلھنیں یزید کے دربار میں پہنچیں۔ زمانہ کیسے رنگ دکھا رہا ہے۔ اور آنکھیں نت نئے انقلاب دیکھتی ہیں۔ لیکن اس دنیا کی بے ثباتی کا نقش کسی طرح دل پر نہیں جمتا۔ اس سے زیادہ نازک وقت کیا اور کبھی آیا ہو گا۔ یا آئے گا کہ محض چندروزہ دور حکومت اور اس زندگی کے واسطے جو آنکھ بند کرکے ختم ہو گئی۔ رسول زادیاں چادریں اوڑھے اور امام وقت کا وہ لال جس پر سادات کا دارومدار ہے۔ خاموش یزید کے

Marfat.com

سامنے کھڑے ہیں۔

مصائب کربلا کو قیام تھا نہ آفات دربار کو ثبات۔ وہ بھی عارضی تھا۔ یہ بھی۔ کربلا کی مصیبتیں ہمیشہ رہنے والی نہیں، نہ دربار کی آفتیں، ہاں انکی یادگار آجتک مسلمانوں ہی کا نہیں ایک دُنیا کا دل دہلا رہی ہے۔ اور آج جبکہ نہ ظالم یزید موجود ہے نہ مظلوم امام ظالم کا ظلم اور مظلوم کا استقلال ہمارے سامنے ہے۔ المختصر جس وقت یزید تخت پر آکر بیٹھا اور خاندان امام سامنے آکھڑا ہوا تو "سید الشہدا" کا سر ایک طشت میں اس کے سامنے رکھا گیا۔ ہاتھ میں چھڑی تھی۔ آہستہ آہستہ سر کو ماری اور کہا "اسی منہ سے خلافت کا دعویٰ کیا تھا کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی خوار و برباد کیا"

حاضرین میں ایک ضعیف العمر شخص موجود تھے۔ یہ دردانگیز سماں دیکھکر بیچین ہو گئے۔ روتے ہوئے اُٹھے اور کہا۔

"یزید! کیا غضب کرتا ہے یہ سر جس کے ساتھ تو آج اس قدر بے ادبی کر رہا ہے۔ بارہا میں نے رسول اللہ کی گود میں دیکھا ہے۔ جس کو تو آج بید مار رہا ہے اس کو رسول اللہ نے بوسہ دیا ہے! تو سب کچھ کر چکا۔ امام کو شہید کیا۔ آل و اولاد کا خاتمہ کیا۔ سیدانیاں تیرے سامنے بے برقع و نقاب رداؤں میں منہ چھپائے حاضر ہو گئیں۔ بیمار سید تیرے روبرو مرض سے کراہ رہا ہے اور تیرے دل میں خدا کا خوف نہیں کہ سمجھے اور سوچے۔ یزید حکومت کے گُرز کی بہت جلد اس حکومت میں جا پہنچے گا۔ جہاں انھی لوگوں کا دور دورہ ہے اور ان کے سکے چل رہے ہیں"

یزید یہ سنتے ہی جل بھنکر کباب ہو گیا۔ اور ان بزرگ کو غیض و غضب سے دیکھکر حکم دیا کہ ابھی اس کو مجلس سے نکال دو اور فوراً حکم کی تعمیل کی گئی۔

Marfat.com

اس کے بعد اس نے امام زین العابدین کی طرف دیکھا اور کہا۔
"تم جانتے ہو کہاں ہو۔ کیا دیکھ رہے ہو۔ اور کیا ہو گیا، اگر تمہارے باپ کے دل میں تمکنت و غرور نہ ہوتا تو آج یہ سر میرے سامنے نہ رکھا ہوتا۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ میں کتنی طاقت کا انسان ہوں اس دربار پر نظر ڈالو۔ اس کا کونہ کونہ اور چپہ چپہ میرے جلال و جبروت کا پتہ دے رہا ہے۔ یہ تمہارے برابر دونوں عورتیں کون ہیں۔ جب خدا نے ہی ان کو پردہ کے لائق نہ رکھا تو اب کس منہ سے منہ چھپاتی ہیں۔ تب ہی بن کر میرے سامنے کھڑی ہیں۔ مگر پردہ موجود ہے! تم بیمار ہو۔ سانس پھول رہا ہے۔ بات کی نہیں جاتی کھڑے ہو مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی سے بیزار اور موت کے خواستگار۔ مگر ابھی تک اپنی ہسٹ پر اڑے ہوئے ہو۔ رسی جل گئی بل نہیں گیا!"

امام زین العابدین:- ہمارے باپ نے محض خدا کی مخلوق کو امن میں رکھنے کے واسطے اپنی اور اپنے پیاروں کی جانیں قربان کر دیں۔ تجھ جیسے کم بخت سے بیعت کرنا مسلمانوں کو جان بوجھ کر کنویں میں دھکا دینا تھا۔ دنیا تھوڑی بھی گزر جاتی۔ مگر خدا کے ہاں ہم کیا منہ دکھاتے۔ تیرے عارضی اور فانی جلوے اگر غور سے دیکھے تو اس وقت بھی جب ہم تیرے دربار میں مظلوم و بیکس حاضر ہیں تیرے غرور اور ہماری صداقت کا پتہ دے رہے ہیں۔ کائنات کی ہر شے ہماری بیگناہی کی شاہد ہے ان بیویوں کو نہ پوچھ کلام اللہ ان کا ایمان ہے اور آزمایش کا وقت یہی ہے۔ خدا ان کو آزما رہا ہے اور یہ راضی بہ رضا ہیں اس وقت تو طاقتور ہے جو چاہے کہہ لے مگر آ رہا ہے وہ وقت جب ہمارا تیرا معاملہ منتقم حقیقی کے سپرد ہو گا۔"

یزید:- اس فضول بحث کو جانے دو۔ ذرا میرے اقبال پر نظر ڈالو۔ تم میرے

Marfat.com

سامنے گرفتار حاضر ہو۔ اور تمہارے باپ کا سر یہ پڑا ہوا ہے۔ اب بھی تم اپنی حرکتوں سے باز آؤ۔ اور میں تمہارے ساتھ اچھا سلوک کروں گا۔"

امام:۔ "دیکھ اذان ہو رہی ہے کچھ سمجھایا گیا ہے۔ تیرے ہی پڑوس میں ایک شخص خدا کا پیغام پہنچا رہا ہے۔ اور بتا رہا ہے کہ تیرا یہ تمام اقبال جس پر تو پھول رہا ہے۔ ہمیشہ رہنے والا نہیں، تجھے معلوم ہے اس میں کیا نام لیا گیا ہے۔ تو نے سُنا۔

اشهد ان محمدً رسول الله

بتا یہ کس کا نام ہے؟ جو اس وقت تک زندہ رہے گا جب تک دنیا زندہ ہے"

اس گفتگو کے بعد کچھ تھوڑی سی گفتگو بی بی زینب سے یزید کی ہوئی اور آخر کار یہ حسینی قافلہ دمشق سے مدینہ منورہ روانہ ہوگیا۔

ختم شد

الزہرا رضہ

حضرت مصور غم علیہ الرحمۃ کی برسوں کی محنت ہے۔ ۱۹ سے رسالہ عصمت میں "سیدۃ النسا" کے عنوان سے حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا کے حالات سال ڈیڑھ سال تک شائع ہوتے رہے۔ لیکن عصمت و تمدن کی مصروفیت کے سبب نامکمل رہے۔ آخر چھ ماہ کی محنت کے بعد اپریل ۱۹۳۰ء میں کتاب ختم کر دی اور اسی مہینہ میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب باوضو لکھی گئی تھی۔ شیعہ اور سُنی دونوں طبقوں میں مقبول ہوئی حضرت مصنف کی زندگی میں ہزارہا کی تعداد میں یہ کتاب آٹھ دفعہ چھپی اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئی۔ اب نیاں اڈیشن دفتر عصمت سے شائع ہوتا ہے اسکا دائمی حق اشاعت محفوظ ہے۔ براہ کرم کوئی صاحب اسے یا اس کے کسی حصہ کو شائع نہ فرمائیں ورنہ اخلاقی و قانونی جرم کے مرتکب ہونگے۔ تاجران کتب معقول کمیشن پر جس قدر جلدیں چاہیں دفتر عصمت دہلی سے طلب فرمائیں۔ برازق الخیری

Marfat.com

مصوّرِ غم

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری (خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے) شاہجہاں آباد کے اُس مقتدر اور ممتاز خاندان کے فرزند رشید تھے جسے خاندان شاہان مغلیہ کے اُستاد ہونیکا نسلاً بعد نسلاً فخر حاصل رہا۔ جس نے مولوی عبد الخالق صاحب مرحوم مولوی عبد القادر صاحب مرحوم اور ہندوستان کے مشہور سحر البیان مولوی عبد الرب مغفور بانی جامع مسجد سہارنپور جیسے جیّد علماء اور قرآن و حدیث کے نامور ماہرین پیدا کئے۔ یہ اجڑے دیار کا وہ نامور خاندان تھا جس کی بیٹیاں حافظہ، حاجیہ، قاریہ ام عطیہ النسا مرحومہ (چھوٹی استانی جی) اور حاجیہ ام ذکیہ مرحومہ جیسی مشہور عالمہ فاضلہ خواتین اور جس کے داماد شمس العلماء مولوی نذیر حسین مرحوم "محدث دہلی" اور شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم جیسے نامور بزرگ تھے۔ حضرت علامہ مغفور بمقام دہلی جنوری سنہ ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے، اور ابھی نو دس برس ہی کے تھے کہ ان کے والد ماجد مولوی حافظ عبد الواجد صاحب نے حیدرآباد دکن میں جہاں وہ محکمۂ بندوبست میں افسر اعلیٰ تھے، انتقال فرمایا۔ اور حضرت علامہ مرحوم کی تعلیم و تربیت ان کے دادا اور چچا حضرت مولوی عبد القادر صاحب مرحوم اور خان بہادر مولوی عبد الحامد صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر کی نگرانی میں ہونے لگی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب انگریزی تعلیم کو مسلمان کفر سمجھ رہے تھے۔ اس لئے حضرت علامہ مغفور نے اُردو فارسی عربی وغیرہ گھر پر پڑھی۔ پھر انگریزی تعلیم دہلی کے عربک اسکول میں ہوئی۔ مگر انہوں نے اپنے شوق سے اسے بہت کچھ ترقی دی۔ مولوی نذیر احمد مرحوم (جو علامہ مرحوم کے حقیقی پھوپا تھے) اور مولانا حالی مرحوم کی شاگردی نے علامہ مغفور کی قابلیت کی ترقی میں چار چاند لگا دیئے۔ ابھی حضرت علامہ انٹرنس ہی میں تھے کہ ان کی ذہانت کا چرچا ہونے لگا۔

تکمیل تعلیم کے بعد مولوی عبد الرحیم صاحب بانی جامع مسجد جھجر کی اکلوتی صاحبزادی سے جنوری سنہ ۱۸۹۰ء میں شادی ہوئی۔ اور سنہ ۹۱ء میں محکمۂ بندوبست کے انگریزی دفتر میں ملازمت شروع کی۔ مگر ملازمت کی پابندی حضرت علامہ کی طبیعت

Marfat.com

کے خلاف تھی۔ اور دفتر کے خشک کاموں میں جی نہ لگتا۔ پھر علامہ مرحوم کی والدہ مرحومہ اپنے اکلوتے بیٹے کی جدائی زیادہ روز کے لئے گوارا نہ کرسکتی تھیں۔ ان وجوہ سے جم کر ایک جگہ نوکری نہ کی۔ اور ترقی کے نہایت معقول مواقع میسر آنے پر ان کی طرف مطلق توجہ نہ فرمائی، اور اناؤ، کھیری، میرٹھ، علی گڑھ، دہرہ دون کی تبدیلی ہوتی رہی آخر دلی کے پوسٹل آڈٹ آفس میں تبدیل ہوئے مگر چند سال گذرے تھے کہ ۱۹۱۰ء میں اٹھارہ انیس سال کی ملازمت سے استعفا دے دیا۔

حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے پہلی تصنیف "حیات صالحہ یا صالحات" ہے جو ۱۸۹۵ء میں لکھی گئی ۱۸۹۸ء میں دوسری تصنیف "منازل السائرہ" ختم کی۔ ان دونوں اصلاحی ناولوں کی اشاعت کے بعد حضرت علامہ مغفور کا شہرہ ایک مقبول پایہ مصنف کی حیثیت سے بلند ہونا شروع ہوا۔ ۱۹۰۳ء سے رسالہ "مخزن" میں افسانے اور مضامین شائع ہونے لگے پھر "صبح زندگی" شائع ہوئی اور دلی کے باکمال ادیب کی طرز تحریر کی دلآویزی، زبان کی شیرینی، اور واقعات کے پیرایہ بیان کی درد انگیزی کی دھوم مچنے لگی۔ ۱۹۰۸ء میں رسالہ "عصمت" جاری ہوا جو ۲۸ سال سے برابر شائع ہو رہا ہے اور ہندوستان کا بہترین زنانہ پرچہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ ۱۹۱۱ء میں حقوق نسواں کی حمایت میں رسالہ "تمدن" جاری کیا جو ۵ سال تک بڑی خوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ ۱۹۱۵ء میں اخبار سہیلی جاری فرمایا مگر ۱۹۱۶ء میں دفتر عصمت میں قیامت کی آگ لگی اور سہیلی جاری نہ رہ سکا ۱۹۱۷ء میں "شام زندگی" شائع ہوئی اور اسے وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ پہلے ہی سال میں تین مرتبہ چھپی اور کتاب نے قوم سے حضرت علامہ مغفور کو مصور غم کا خطاب دلوایا اب اردو کے بے مثل مصنف نے تصانیف کا ڈھیر لگا دیا اور دو درجن کے قریب ضخیم کتابیں ۱۹۰۰ء سے ۱۹۲۳ء تک کے زمانہ میں لکھ ڈالیں، جو مختلف حضرات نے شائع کیں۔ اور بقول کانا تاجور، لاکھوں روپیہ پیدا کیا۔" حضرت مصور غم نے اپنی تصانیف کی جو مقبولیت دیکھی شاید اردو کے کسی مصنف کو دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ ایک دو نہیں درجنوں کتابیں آٹھ آٹھ دس دس سال کے عرصہ میں دس دس بارہ بارہ دفعہ چھپیں۔ بلکہ "صبح زندگی" شام زندگی وغیرہ کے تو پندرہ پندرہ بیس بیس ایڈیشن شائع ہوئے۔ آخری دو کتابیں "آمنہ کا لال" سیدہ کا لال" بھی چار ساڑھے چار سال میں ہزارہا کی تعداد میں پانچ چھ دفعہ چھپ کر ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔

۱۹۱۸ء میں پنجاب یونیورسٹی نے اردو کورس علامہ مغفور سے صحیح کرائے۔

Marfat.com

۱۹۲۰ء میں نیشنل یونیورسٹی نے سب سے پہلا اُردو ممتحن مقرر کیا۔ ۱۹۲۷ء میں حکومت بہار واڑیسہ نے شمالی ہند سے بحیثیت ماہرِ اردو کے اُردو ہندی کی ترقی کے سلسلے میں حضرت علامہ مرحوم سے بیش بہا مشورے لیے۔

۱۹۲۳ء میں مسلمان بچیوں کے لئے تربیت گاہ بنات قائم کی جس سے ہندوستان کے مختلف حصوں کی سینکڑوں خوشحال اور یتیم و نادار بچیوں نے بحیثیت بورڈر تعلیم و تربیت حاصل کی اور جس سے ہزاروں غریب کم استطاعت بچیاں زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوئیں اس مدرسہ کیلئے بیگم صاحبہ محترمہ کے ساتھ علامہ مغفور باوجود پیرانہ سالی کے ہندوستان کے کسی صوبہ کا سال میں مہینہ سوا مہینہ کا دورہ فرماتے تھے۔ مدرسہ کے کاموں میں محترمہ بیگم راشد الخیری صاحبہ حضرت علامہ مرحوم کی برابر کی شریک رہیں۔ ۱۹۲۴ء میں مسلمان بچیوں کے لئے رسالہ "بنات" جاری فرمایا۔ ۱۹۳۲ء میں علامہ مغفور کی مرحومہ بہو محترمہ خاتون اکرم کی یادگار میں زنانہ دستکاری کا رسالہ "جوہرِ نسواں" جاری ہوا۔ حضرت علامہ راشد الخیری کی (خدا انہیں غریق رحمت فرمائے) خودداری بڑے آدمیوں اور بااثر و بارسوخ لوگوں سے ملنے کو کبھی درست نہ سمجھتی تھی۔ نام و نمود شہرت و خودستائی جلسوں اور بے نتیجہ تقریروں سے سخت نفرت تھی۔ کسی جلسہ یا کسی تحریک میں حصہ نہ لیتے تھے حضرت مصورِ غم نے خاموشی کے ساتھ مسلسل چالیس سال تک تصانیف اور رسالوں کے ذریعہ خواتین ہند اور ادبِ اُردو کی جو زبردست شاندار خدمات انجام دیں وہ اس قدر گراں بہا اور عظیم الشان ہیں کہ مشہور ادیبوں اور رہنمایان قوم کا فیصلہ ہے کہ ان کی نظیر نہیں نکل سکتی۔ اصلاح نسواں اور حقوق نسواں کیلئے حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی کوششیں کبھی فراموش نہ ہوسکیں گی۔ مصورِ غم ہی کی تحریروں سے عورتوں کی مظلومیت پر مردوں کے دل پسیجے۔ مصورِ غم ہی کے لٹریچر سے عورتوں کو اپنی اصلاح و ترقی کا احساس پیدا ہوگیا۔ اور گذشتہ تہائی صدی میں خواتین ہند میں جو تھوڑی بہت بیداری پیدا ہوئی ہے متفقہ طور پر اس کا اعتراف کیا گیا ہے کہ اسمیں بہت بڑا حصہ جنت نصیب حضرت علامہ راشد الخیری کی ان تھک مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت مصورِ غم علیہ الرحمۃ مشرق کے بے مثل حزن نگار مصنف ہی نہ تھے۔ مزاحیہ مضامین لکھنے میں بھی کمال رکھتے تھے۔ ناولسٹ بھی تھے، جرنلسٹ بھی، مختصر افسانہ نگار بھی تھے، اور مورخ بھی شاعر بھی تھے اور انشا پرداز بھی، مگر ہر حیثیت میں مصلح اور نسوانی جذبات کے ترجمان۔ ان کی تحریر کی طرح انکی تقریروں اور لکچروں میں بھی خدا نے کچھ ایسا اثر اور آواز میں کچھ ایسا درد عطا فرمایا تھا کہ مجمع زار زار آنسو بہاتا تھا۔ حضرت علامہ مغفور میں مذہبی عنصر بہت غالب تھا زمانہ شباب میں

Marfat.com

علاوہ مذہب کے فارسی شاعروں اور انگریزی مصنفین کا بھی مطالعہ فرمایا تھا، حافظہ حیرت انگیز تھا۔ موسیقی سے بہت دلچسپی تھی، انگریزی اور ہندوستانی بہت سے کھیل جانتے تھے۔ بدن کسرتی تھا، جسم دوہرا قد لمبا، چہرہ پر دلالت اور نور برستا تھا۔ خانگی زندگی انتہائی کامیاب تھی اور دیکھنے والوں کے لئے ہر حیثیت سے قابل رشک تھی۔
بے نظیر بیٹے، لاجواب بھائی، سعادتمند داماد۔ بہترین شوہر، عاشق زار باپ، اور بہترین دوست ہمیشہ شاداں وخنداں رہتے تھے۔ ان کی بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی اور زندہ دلی ان کے ملنے والے بھلائے سے بھی نہیں بھول سکتے۔ جن کی قابلیت کا چار کھونٹ ڈنکا بج رہا تھا۔ جن کی شہرت اس دَور کے بڑے بڑے مصنفوں اور رہنماؤں کیلئے باعث رشک تھی، جن کا نام عزت کے ساتھ جنکا ذکر محبت کے ساتھ لیا جاتا، اور کیا جاتا تھا، ان کی شرافت اور اخلاق، سادگی اور وضعداری، مہمان نوازی اور انسانی ہمدردی دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈالدیتی تھی۔
ان کی عاجزی اور انکساری کا یہی ثبوت کچھ معمولی نہیں کہ ۶۰ کے قریب کتابیں زندگی میں شائع ہوگئیں لیکن کسی کتاب میں تصویر شائع نہ کرنے دی۔ کسی کتاب کو کسی کے نام منسوب نہ کیا۔ کسی کتاب میں کسی کی تقریظ جائز نہ سمجھی۔ تین چار کتابوں میں دیباچے بھی مجبوراً لکھے ورنہ سوائے ٹائٹل پر نام آنے کے اپنا نام تک اپنی کتاب میں دوبارہ آنا پسند نہ فرمایا۔ صبر شکر توکل وقناعت ہمیشہ شیوہ رہا۔ اپنی حالت میں بے انتہا خوش رہے۔ رحمدلی مخلصانہ عملی ہمدردی، غیروں کی آگ میں کود پڑنا، دوسروں کے لئے سب کچھ لٹا دینا المختصر خدمت خلق اللہ حاصل عمر تھا۔ ۶۸ سال کی عمر تھی اور بظاہر صحت نہایت اچھی کہ دو ماہ بیمار رہ کر ۳ فروری کی منحوس صبح کو اجڑے دیار کے آخری باکمال مصنف کا سایہ قوم بدبخت کے سر سے اُٹھ گیا۔ مصور غم کی رحلت پر ہندوستان بھر کے ہر پڑھے لکھے گھرانے میں کہرام مچ گیا۔ جگہ جگہ زنانہ اور مردانہ ماتمی جلسے ہوئے اور ہندوستان کے باہر ادب اُردو کا ذوق رکھنے والا ہر شخص دم بخود ہو گیا۔ جس قدر رنج وغم میں ڈوبے ہوئے مضامین جتنے مرثیے اتنے قطعات تاریخ المختصر جس قدر بلند پایہ ماتمی لٹریچر مصور غم کے انتقال پر شائع ہو گیا وہ اتنا زبردست ہے کہ بقول اڈیٹر ملت "کسی ادیب یا رہنما کی وفات پر اسوقت تک شائع نہ ہو سکا" آسمان کتنی ہی کروٹیں بدلے زمین کتنے ہی چکر کاٹے، ہندوستان بدلے، ہندوستان والے بدلیں معاشرت بدلے، ادب بدلے لیکن مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری کو ہمیشہ عزت ومحبت کیساتھ یاد کیا جائیگا اور انکا نام آنیوالی نسلیں فخر کیساتھ لیتی رہیں گی۔
خدا کی بیشمار رحمتوں کے پھول اس مزار مبارک پر برستے رہیں جس میں وہ میٹھی نیند سو رہے ہیں، اور خدا جنت نعیم میں اس پاک رُوح کو ابدی سکون عطا فرمائے جسکی دائمی مفارقت ہمیں آٹھ آٹھ آنسو رلا رہی ہے۔

رازق الخیری

۲۲ جولائی ۳۶ء

فخرِ نسواں ہند محترمہ خاتونِ اکرم جنّت مکانی کی یادگار میں

جوہرِ نسواں دہلی

زنانہ دستکاری کا ماہوار رسالہ ستمبر ۱۹۳۴ء سے جاری ہے

دفترِ عصمت دہلی کے اس نئے ماہوار رسالہ میں کشیدہ۔ کروشیا۔ جالی۔ تارکشی۔ کارپٹ کینوس۔ کراس اسٹیچ۔ سلمہ ستارہ۔ ربن پتی۔ گٹا و اد کپڑوں کی سلائی۔ کٹائی وغیرہ وغیرہ مختلف قسم کی زنانہ دستکاریوں کے عمدہ عمدہ نمونے اور مفصل ترکیبیں اور کارآمد ہدایتیں شائع ہوتی ہیں جوہرِ نسواں کے مضامین پھوہڑ لڑکیوں کو بھی سگھڑ اور ہنرمند بنا دینگے جوہرِ نسواں کی قلمی معاونین ہندوستان کی مشہور دستکار خواتین ہیں۔

اڈیٹرز (۱) محترمہ خدیجہ بائی۔ مؤلفہ سلمہ ستارہ کا کام (۲) محترمہ غدیر فاطمہ۔ مؤلفہ گلدستہ کشیدہ (۳) محترمہ آمنہ نازلی۔ مؤلفہ موتیوں کا کام۔

ٹائٹیل نہایت خوبصورت کاغذ چکنا دبیز۔ لکھائی چھپائی۔ مصوری اعلیٰ درجہ کی۔

سالانہ چندہ۔ مع محصول دو روپے چار آنے بذریعہ منی آرڈر صرف دو روپیہ ۲؎ (عام)

دفترِ عصمت کی کچھ اور کتابیں

سوئی کا کام	عہ	ادب زریں	۸ر	افسانۂ حرم ۸ر فیروزہ	۸ر
موتیوں کا کام	عگر	نغمات موت	۶ر	آئینہ موثر	عہر
سلمہ ستارہ کا کام	عگ	خانہ داری کے تجربات	۱۲ر	سنگھار خانہ	عگر
اونی کام سلائیوں سے	عہر	مفید نسواں	۸ر	تندرستی ہزار نعمت	۵ر
خواتین کی دستکاریاں	۸ر	جاں باز	۱۲ر	زنانہ لبنہ عہ شمع خاموش	۶ر
جاپانی کہانیاں	عہ	دامن باغباں	عہ	پردہ و تعلیم	۱۲
مزیدار کہانیاں	۵ر	روحانی شادی	۶ر	صنعت و حرفت	عگر
شہیدِ وفا	عہ	آئینہ جمال	۱۲ر	زچہ خانہ	سہ

مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

Marfat.com

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری کی تصانیف

لڑکیوں اور عورتوں کیلئے بے مثل کتابیں

آمنہ کا لال	عہ	قلب حزیں	۸ر
سیدہ کا لال	۶ر و ۱۰ر	گلدستہ عید	۸ر
الزہرا	۱۲ر	رودادِ قفس	۱۲ر
امت کی مائیں	۱۲ر	گرفتارِ قفس	۴ر
وداعِ خاتون	۹ر	تفسیرِ عصمت	۵ر
صبحِ زندگی	۱۰ر	انگوٹھی کا راز	۸ر
شامِ زندگی	عہ	منازلِ ترقی	۴ر
شبِ زندگی	۶ر	جوہرِ عصمت	۱۰ر
نوحۂ زندگی	۱۲ر	سیلابِ اشک	عہ
نسوانی زندگی	۸ر	طوفانِ اشک	عہ
حیاتِ صالحہ	۱۰ر	نانی عشو	۱۰ر
طوفانِ حیات	عہ	ولایتی نخی	۹ر
جوہرِ قدامت	عہ	منازل السائرہ	۶ر
نغمۂ شیطانی	۱۲ر	بنت الوقت	۸ر
موذہ	۸ر	ایمن کا دم واپسیں	۴ر
ستونتی	۸ر	بچہ کا کرتہ	۴ر
غدر کی ماری شہزادیاں	۱۲ر	وڈیا کی سرگذشت	۳ر
وداعِ ظفر	۱۰ر	فسانۂ سعید و سراب مغرب	۸ر

اسلامی تاریخ ناول کی طرز پر

عروسِ کربلا	۱۰ر	تیغِ کمال	۱۰ر
محبوبۂ خداوند	۱۲ر	اندلس کی شہزادی	۸ر
یاسمینِ شام	۱۰ر	سودائے نقد	۵ر
شہنشاہ کا فیصلہ	۴ر	شہیدِ مغرب	عہ
منظرِ طرابلس	۵ر	سات روحوں کے اعمالنامہ	۸ر
دُرِ شہوار	۸ر	محصول ڈاک بذمہ خریدار	

شریف بیگمات کیلئے اعلیٰ درجہ کی کتابیں

کھانے پکانے کی کتابیں

جن کی تیاری میں ہندوستان کے ہر حصہ کی قریبا ۱۵۰ معزز خواتین نے حصہ لیا ہے جن کی تمام ترکیبیں تجربہ کرلی گئی ہیں اور جن سے زیادہ مستند اور صحیح مفصل و مکمل کوئی کتاب آجتک ہندوستان میں نہیں چھپی۔

عصمتی دسترخوان ۶ر	مشرقی مغربی کھانے ۶ر	بچوں کے کھانے ۸ر
بیماروں کے کھانے ۱۰ر	عصمتی ہنڈکلیا ۸ر	مذاقیہ کھانے ۴ر ناشتہ ۱۰ر

دستکاری کی کتابیں

جو اپنے موضوع پر نہایت مفید اور کارآمد کتابیں تسلیم کی گئی ہیں

عصمتی کروشیا ۱۰ر	عصمتی کشیدہ عہ	گلدستۂ کشیدہ ۱۲ر
موتیوں کا کام عہ	سلمہ ستارہ کا کام	خواتین کی دستکاریاں ۸ر

تصانیفِ فخرِ نسوانِ ہند محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

جو زنانہ لٹریچر کی چوٹی کی کتابیں ہیں جن پر ملک کے مشہور اخبارات و رسائل نے نہایت شاندار ریویو کئے ہیں جن کے بغیر کوئی زنانہ کتب خانہ مکمل نہیں کہا جاسکتا۔ آرٹ کاغذ پر چھپی ہیں۔

خان محمد

جمال ہمنشیں عہ	گلستانِ خاتون عہ	پیکرِ وفا ۸ر	بچھڑی بیٹی ۸ر

معزز خواتین کے لکھے ہوئے

دلچسپ اور سبق آموز اصلاحی و معاشرتی ناول افسانے وغیرہ جن میں لڑکیوں اور عورتوں کو نہایت مفید باتیں بتائی گئی ہیں۔

انوری بیگم ۱۰ر	دولت پر قربانیاں ۸ر	جنسی کی باتیں ۸ر
مشیرِ نسواں عہ	خواتینِ اندلس ۸ر	تاریخی لطیفے ۸ر
سرگذشتِ ہاجرہ ۱۰ر	تندرستی ہزار نعمت ۴ر	بچوں کی تربیت ۱۰ر
موہنی ۱۰ر	شمعِ خاموش ۸ر	بچوں کی دنیا ۸ر
غیرت کی پتلی ۸ر	تحریر النسا ۱۲ر	مختصر دنیا ۵ر
چار رخ ۴ر	عقل کی باتیں ۸ر	آئینۂ موٹر ۱۲ر

محصول ڈاک بذمہ خریدار — ملنے کا پتہ منیجر رسالہ عصمت دہلی — محصول ڈاک بذمہ خریدار

Printed at ...

Marfat.com